413

نفسیاتی علاج

اردو زبان میں نفسیات پر ایک اچھوتی اور لازوال تصنیف
مسیحی عہد میں نفسی [illegible] وج وارتقا کی مکمل داستان،

تصنیف
حامد عبدالقادر (مصر)

ترجمہ
رئیس احمد جعفری

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز

کشمیری بازار ○ نذر باغ ○ ہسپتال روڈ ○ بندر روڈ ○ اردو بازار
لاہور ○ پشاور ○ حیدرآباد ○ کراچی ○ لاہور

کراچی بک ڈپو

(جملہ حقوق محفوظ)

سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۳

نام کتاب	نفسیاتی علاج
طابع	شیخ نیاز احمد
مطبع	علمی پرنٹنگ پریس لاہور
اشاعت دوم	
قیمت	چار روپے

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، کشمیری بازار، لاہور

فہرست عنوانات

حرف آغاز ۱۳
عہد قبل از مسیح میں نفسی علاج کے
عروج وارتقا کی داستان ۱۷
سحر سے علاج "
مظاہر اختلاف ۱۸
سحر کیا ہے؟ ۱۹
جادو، طلسم، شعبدہ ۲۰
ابن خلدون کا مشاہدہ ۲۲
ساحروں کے وسائل ۲۴
اقتباسات ثلاثہ ۲۶
جادو بہ حیثیت طب کے ۲۷
قدیم مصر میں جادو کے ذریعہ علاج
طب نفسی اور طب جسمی ۲۸
پروردگار طب "
وادیٔ نیل ۲۹
بابل میں سحر سے علاج ۳۰
ارواح خبیثہ ۳۰
حیرت انگیز ۳۱
نجوم میں مہارت ۳۲
کواکب کا اثر ۳۳
یونان اور جادو ۳۴
ساحری کے شرائط "
سحر کے اوقات ۳۵
ساحر کی پہچان ۳۷
ابتدائی تیاری ۳۶
مراسم کے بعد ۳۸
خواب ۳۹
کوس کا مندر "
بقراط کا مدرسہ ۴۰
افلاطون کا دور ۴۱
یہودیوں کا دور کمال! ۴۳
یونان، روم اور یہود "

یہود کے عقائد	۴۴	سحر کی چھٹی صورت	۶۰
صحت کی صورت	۴۵	سحر کی ساتویں صورت	۶۱
حضرت ایوب کا قصہ	۴۶	سحر کی آٹھویں صورت	″
یہود کا طرز علاج	۴۷	خلاصۂ کلام	۶۲
یہود کا نیا عقیدہ	۴۸	**عہد مسیحیت**	۶۴
خروج کی آیت	″	نبض مریض اور دستِ مسیحا	″
یہود کے احبار اور کاہن	۴۹	خوارق عادت	۶۵
انبیاء بنی اسرائیل	۵۰	انجیل کی آیت	″
شرح و تعلیق	۵۱	یہود کا عقیدہ	۶۶
قدیم و جدید	″	انجیل متی کا بیان	۶۶
امام رازی کا نظریہ	۵۳	ایک شبہ کا ازالہ	۶۸
سحر کی پہلی صورت	″	**بعد از مسیح**	۷۰
سحر کی دوسری صورت	۵۵	لوقا کا قول	″
بو علی سینا کی رائے	۵۶	پطرس کا علاج	۷۱
امام غزالی کی رائے	۵۷	کچھ اور معالجے	۷۲
نفسیات جدید	۵۸	سحر، معجزہ، اور کرامت	″
سحر کی تیسری صورت	″	نئی تحقیق	۷۳
سحر کی چوتھی صورت	۵۹	**نفسی علاج عرب کے دور جاہلیت اور آغاز اسلام میں**	۷۵
سحر کی پانچویں صورت	۶۰		

ایران اور روم ۷۵
عرب طبیب ۷۶
نضر بن حارث ۷۷
طرز علاج ۷۸
عرب کے کاہن "
عربوں کے اوہام ۸۰
اسلام کا دور ۸۱
نفسی نقطۂ نظر ۸۱
مادہ اور روح ۸۳
علاج بالقرآن ۸۴
قول باری تعالیٰ "
سبکی کا بیان ۸۵
امام رازی کی رائے ۸۶
امراض جسمانیہ ۸۷
شفا اور رحمت ۸۸
نتائج اور تفصیل ۸۹
نظامی گنجوی کی حکایت "
دعا اور یقین ۹۱
فلاسفۂ عرب اور علاج نفسی
عرب حضارت ۹۳
عرب اور یورپ! ۹۴
تاریخ کی شہادت "
بوعلی سینا ۹۵
عشق کا علاج ۹۵
نظریہ اور تجربہ ۹۸
ایک اور علاج ۹۹
مالیخولیا کا علاج ۱۰۰
ابن سینا کا تجربہ ۱۰۲
گنٹھیا کا نفسی علاج ۱۰۴
رشیبہ کا رئیس الاطبا ۱۰۵
ذکریا رازی ۱۰۸
مادی اور نفسی علاج ۱۱۱
ہند اور جاپان کا علاج نفسی "
عرب طبیبوں کا نظریہ ۱۱۲
ابن مسکویہ کا قول ۱۱۳
جسم اور قول ۱۱۴
اطبائے عرب اور امراض خلقی!
فصل و تقدم ۱۱۵

چند عنوانات	۱۱۶
غضب کی تاثیر	۱۱۷
غضب کی حقیقت	″
غضب کے نتائج	۱۱۸
انسان یا درندہ؟	۱۱۹
ملوک وسلاطین	۱۲۰
رذیل وذلیل	۱۲۱
غضب کا انجام	″
غصّہ کے اسباب	۱۲۲
غصّہ کے لواحق	۱۲۳
امام غزالی کے افکار	″
آثار غضب	۱۲۴
علامات غضب	۱۲۵
غضب کا علاج	″
نجات کی صورت	۱۲۶
علاج کے چھ طریقے	۱۲۷
قولی ترکیبیں	۱۲۹
دور جدید کے علمائے نفس	۱۳۱
غصّہ کے مراتب	۱۳۲
تفریط کے معنی	۱۳۲
افراط کا مفہوم	۱۳۳
حمیت اور غیرت	۱۳۴
منکرات اور منہیات	۱۳۴
ابن عربی کا کلام	۱۳۵
ایک اور پہلو	۱۳۷
نفس غضبیہ کے مراتب	۱۳۷
فضائل محمودہ	۱۳۸
نفس غضبیہ کا علاج	″
امراض خلقیہ	۱۳۹
نفسی علاج ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی میں	۱۴۰
یورپ کا دور ارتقا	″
ڈاکٹر مسمر اور مسمریزم	″
مسمر کا عقیدہ	۱۴۱
مسمر کی کامیابیاں	۱۴۲
ابی فاریا	″
ڈاکٹر برائڈ	۱۴۳
ڈاکٹر شرکوٹ	۱۴۴

لیوبولٹ اور بیرن ہائم ۱۴۴
ڈی لوا ۱۴۵
ایمائیل کونی ۱۴۵
علاج نفسی میں امریکہ کا حصّہ
علم مسیحی ۱۴۶
وجہ تسمیہ ״
عجیب داستان ۱۴۷
ڈاکٹر کوئیبی ۱۴۸
طریق علاج میں تبدیلی ״
مس ایڈی ۱۴۹
نفسی علاج میں مہارت ״
کتاب کی خصوصیات ۱۵۱
چند خیالات ۱۵۲
تشخیص مرض ۱۵۳
دوا، اور خیال ۱۵۴
نقد و تبصرہ ۱۵۵
خلاصہ قول ۱۵۶
اعتماد نفس ۱۵۶
مرض کا وجود ۱۵۷
وجود سے انکار ۱۵۷
مذہب مقناطیسی ۱۵۸
علاج جسمانی یا طبیعی ۱۵۹
دلائل و تجارب ״
جسم اور عقل کا تعلق ۱۶۰
تجربہ اور تحقیق ۱۶۱
عصبی امراض اور سمیت ۱۶۲
نفسی علاج بیسویں صدی میں
عقل باطن ۱۶۳
تنویم مقناطیسی ۱۶۴
بنیادی وسائل ۱۶۴
اضطرابات عقلی ۱۶۶
ڈاکٹر جانٹ ״
ضعف عقلی ۱۶۷
علم النفس اور علاج نفسی ۱۶۸
فرائڈ! ۱۶۹
فرائڈ کی دشواریاں ۱۶۹
ڈاکٹر بریر ۱۷۰
طریقہ تنفیس ۱۷۱

فرائڈ اور بریر کی علیحدگی ۱۷۲
تعبیر خواب 〃
ایک اور طریقہ ۱۷۳
فرائڈ کا تفصیلی نظریہ ۱۷۵
شعور ۱۷۵
تحت الشعور 〃
لاشعور 〃
اہم تشریحات 〃
مزاحمت اور مقابلہ ۱۷۶
ضمیر اعلیٰ کی شان ۱۷۷
جنسی جبلت ۱۷۸
فرائڈ اور اڈلر ۱۷۹
وجہ اختلاف 〃
نقصان کا شعور ۱۸۰
اڈلر کا اصول ۱۸۱
اڈلر کا نظریہ ۱۸۲
اسلوب حیات کی اہمیت 〃
چند علامتیں ۱۸۳
خواب کی تعبیر 〃
مرض اور علاج ۱۸۴
نفسیاتی مبادیات ۱۸۶
فرائڈ اور ینگ ۱۸۷
اختلاف کا آغاز 〃
نفسی گتھی ۱۸۸
عدم مزاحمت کا سبب ۱۸۹
فرد اور اس کا ماحول ۱۹۰
بہترین تدبیر 〃
امراض عقلی ۱۹۱
"روحانی" کا ادراک ۱۹۲
رغبت حیات ۱۹۳
عقل کا روگ ۱۹۴
معیار کیا ہے؟ 〃
استعداد اور ماحول ۱۹۵
سلبی تعریف ۱۹۶
طبعی اور خارجی 〃
امراض عقلی ۱۹۷
مفکرین کی رائے ۱۹۸
ضعف فکر ۱۹۹

انفعال کی چنگاری ۲۰۰
وجدانی زندگی ۲۰۱
فرد کا مخصوص ماحول ۲۰۲
واضح مثالیں ۲۰۳
عقلی امراض! ۲۰۴
عقلی مرض سے مراد //
جسم اور عقل ۲۰۵
سبب ضروری ہے ۲۰۶
ڈاکٹر اڈورڈ کا مشاہدہ //
عقلی امراض کے اسباب ۲۰۷
اسباب سابقہ ۲۰۸
امراض عقلی کے اسباب ۲۰۹
وراثت ۲۰۹
عمر یا سن ۲۱۱
طفولیت اور بلوغ ۲۱۲
زندگی کا آفتاب ۲۱۳
جنس ۲۱۴
ماحول کے عوامل //
عصبی اضطرابات ۲۱۵
اجتماعی ماحول ۲۱۶
متمدن معاشرہ ۲۱۷
خاص الخاص عوامل ۲۱۸
پیشہ ۲۱۹
مضر اشیا ۲۲۰
سابقہ علالت ۲۲۱
مقابلۂ مرض ۲۲۲
اسباب محرکہ ۲۲۳
بخار اور عقلی امراض ۲۲۴
نفس کا اضطراب //
بعض اور اسباب ۲۲۵
دماغ اور فکر ۲۲۶
تاثیر عقلی کا غلبہ ۲۲۷
انفعالی اضطرابات ۲۲۸
قلب اور انفعال //
خیال اور انفعال ۲۲۹
تمدن کی بنیاد ۲۳۰
عادت اور مشق ۲۳۱
چند حقائق ۲۳۲

جسم کا ہیجان	۲۳۳	ڈیکارٹ کا قول	۲۴۶
محبت اور اطاعت	۲۳۴	جنون کے اسباب	"
امراض کی مثال	۲۳۵	مرغوب کھانے	۲۴۷
نفسیاتی کشمکش	۲۳۶	دوسرا پہلو	۲۴۸
مشکلات	"	خوف کی مثال	"
عقلی امراض کی تقسیم	۲۳۷	وہم اور وسواس	۲۴۹
عضوی امراض	"	جسمانی اور عقلی امراض کا رابطہ	۲۵۰
وظفی امراض	۲۳۸	امراض کے واسطے اور رابطے	۲۵۱
تسممی امراض	"	استوار علاقہ	"
مرض کی تشخیص	"	دوسرا اصول	۲۵۲
مریض کا بیان	۲۳۹	تیسرا اصول	"
مریض کی کوتاہی	۲۴۰	چوتھا اصول	۲۵۳
تاریخ مرض	"	پانچواں اصول	"
خاص خاص علامات	۲۴۱	چھٹا اصول	۲۵۴
اصول علاج	۲۴۳	ابن مسکویہ کا قول	"
ارسطو کی دریافت	۲۴۳	دلیل اور ثبوت	۲۵۵
ایک اہم نظریہ	۲۴۴	اگر ایسا ہو؟	۲۵۶
چند صورتیں	۲۴۵	استدلال اور مشاہدہ	۲۵۷
تمدنی اختراعات	۲۴۵	ایک خاص واقعہ	"

نفسیاتی علاج کے طریقے	
پانچ شرطیں	۲۵۹
کچھ اور شرائط	۲۶۰
بنیادی شرط	۲۶۱
علاج کے وسائل	〃
ضروری ہدایات	۲۶۲
چند اور وسائل	۲۶۳
تحلیل نفسی	۲۶۴
عام طریقہ	۲۶۵
طبیب کے سوالات	〃
دوسرے وسائل	۲۶۶
تلقین ذاتی	۲۶۷
تلقین ذاتی کا اثر	۲۶۷
ایک عجیب خصوصیت	۲۶۸
اعداد و شمار	〃
تلقین کے معجزات	۲۶۹
ایک عجیب واقعہ	〃
غائبانہ معالجہ	۲۷۰
تلقین کا طریقہ	۲۷۱
عملی تطبیق	۲۷۲
ترغیب و تحریض	۲۷۲
ایک اور مشاہدہ	۲۷۳
تجدید تربیت	۲۷۵
مریض عشق	۲۷۶
بچہ کی مثال	۲۷۷
عقل میں خلل	〃
صحیح سمت	۲۷۸
تنفیس	۲۷۹
بچہ کی نظیر	〃
اعتراض کا جواب	۲۸۰

حرفِ آغاز

اردو زبان اب تہی مایہ زبان نہیں رہی، ہر علم و فن پر ضخیم اور مستند کتابوں کا ذخیرہ اس زبان میں موجود ہے اور اس ذخیرہ میں روز بروز شاندار اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے، اردو زبان کے لٹریری سرمایہ کا اگر جائزہ لیا جاتا تو

چند تصویرِ بتاں، چند حسینوں کے خطوط!

سے زیادہ کچھ نہ نکلتا۔ گل و بلبل کی شاعری یا طوطا مینا کی کہانیاں، لیکن یہ دور بہت جلد گزر گیا۔ ایک طرف جامعۂ عثمانیہ (حیدرآباد دکن) کے قیام نے علوم مصری کے تراجم کا دروازہ کھول دیا، دوسری طرف دار المصنفین اعظم گڑھ نے گراں مایہ تصنیفات اور تالیفات کا ایسا سلسلہ شروع کیا، جو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں سے ہمسری کا دعوےٰ کر سکتا ہے، پھر جامعہ ملیّہ اسلامیہ دہلی کے اردو اکاڈمی نے چند نادر اور نہایت بلند مرتبہ کتابوں کی نشر و اشاعت کے ذریعہ اردو زبان کے دامن کو گوہر آرزو سے مالا مال کر دیا۔

اس مختصر سی مدت میں ہر علم و فن پر تراجم اور تصنیفات کا اتنا زبردست ذخیرہ اس زبان میں فراہم ہو گیا ہے کہ آج السنۂ عالم کے مقابلہ میں اردو کو حقیر اور ہیچ میرز کوئی نہیں کہہ سکتا۔ وہ انگریزی سے، فرانسیسی اور عربی سے ——— علمی اعتبار سے ——— کسی طرح بھی کم اور فرومایہ نہیں ہے، موجودہ دور، در حقیقت ترجمہ کا دور ہے، ہر زبان جب ترقی کی طرف قدم بڑھاتی ہے۔ تو سب سے پہلے تراجم ہی کی طرف توجہ کرتی ہے، پھر تصنیفات اور تالیفات کا دور آتا ہے لیکن اردو کی سرعتِ رفتار کا اندازہ اس سے لگائیے کہ یہاں تراجم اور تصنیفات کا دور ساتھ ساتھ شروع ہوا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے تراجم کا پلّہ تصنیفات سے کم ہے، یا تصنیفات کا پلّہ تراجم سے پست ہے یہ دونوں الگ الگ شعبے ہیں اور ایک دوسرے سے بالکل غیر متعلق ہیں۔ لیکن خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ، کامیابی اور کامرانی کے مراحل طے کر رہے ہیں۔ ان دونوں شعبوں میں سے کوئی شعبہ بھی کمزور اور ناقص نہیں ہے۔ بیک وقت اور پہلو بہ پہلو دونوں ترقی اور عروج کے راستے پر گامزن ہیں حالانکہ حالت یہ ہے کہ نہ حکومت کی سرپرستی حاصل ہے، نہ عوام کا تعاون، چند سر پھرے لوگ ہیں، جو ستائش کی تمنا اور صلہ کی پرواہ سے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں لگے ہوتے ہیں چند علم پرور ادارے ہیں جو کاروباری ذہنیت سے بالا ہو کر ٹھوس قسم کا علمی اور افادی ادب پیش کر رہے ہیں۔ اُردو زبان کے زندہ رہنے اور کامیاب ہونے کی یہی سب سے

بڑی دلیل ہے۔

پیش نظر کتاب "العلاج النفسانی" کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب مصر کی "جمعیۃ فلسفیہ" نے شائع کی تھی، اس کے مولف حامد عبد القادر ہیں۔ جن کی علمی منزلت اور فلسفیانہ ثروت نگاہی کے علمی حلقے قائل ہیں۔ موصوف نے مصر میں بھی تعلیم حاصل کی اور دیار فرنگ میں بھی انہوں نے پڑھا بھی، اور پڑھایا بھی۔ دیکھا بھی اور دکھایا بھی، سیکھا بھی اور سکھایا بھی اور پھر دور ہیں ان کا دل بھی مسلمان رہا، اور دماغ بھی۔ ایران نے یورپ سے وہ سب کچھ حاصل کیا، جو حاصل کرنا چاہیئے تھا، لیکن خود ان کے پاس اسلاف کا جو گراں قدر سرمایہ تھا۔ اس سے بھی فائدہ اٹھایا اسے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا، اور دنیا کو بتایا کہ اتنی ترقی کر لینے کے بعد بھی ابھی بہت کچھ اسے سیکھنا ہے، بہت کچھ اسے مدرسہ اور مکتب سے بھی حاصل کرنا ہے۔ حامد عبد القادر، یورپ سے مرعوب نہیں ہیں یورپ کے آگے دوسروں کو جاہل نہیں سمجھتے، وہ اس کے علم سے فائدہ اٹھانے کے خوگر ہیں، لیکن مسلمانوں کے کشکول میں، جو کچھ ہے —— اور بہت کچھ ہے —— اسے بھی وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں۔

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را!

اُردو زبان میں نفسیات پر تو مشہور کتابیں موجود ہیں، اور آئے دن اس موضوع پر متعدد کتابیں شائع ہوتی ہیں لیکن نفسی علاج ایسا، انوکھا اور اچھوتا موضوع ہے کہ اب تک اس پر خامہ فرسائی نہیں کی گئی، حالانکہ

عہد قبل از مسیح میں!

نفسی علاج کے فروغ و ارتقا کی داستان

نفسی علاج کا طریقہ تقریباً اسی وقت سے رائج ہے جب سے انسان کے بلوغ و شعور کا دور شروع ہوا ہے۔ چنانچہ اگر کھوج لگایا جائے تو معلوم ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور سے پیشتر بھی نفسی علاج مختلف صورتوں میں عام طور پر رائج تھا۔

ذیل میں ہم عہد قدیم یعنی عہد قبل از مسیح کے چند نفسی طرق علاج کا ذرا شرح و تفصیل سے ذکر کرتے ہیں!

سحر سے علاج

حقیقت یہ ہے کہ امراض جسمی و عقلی کا نفسی طور پر علاج معالجہ، عہد جدید کی کوئی نئی دریافت نہیں ہے۔ بلکہ عہد قدیم میں بھی یہ طریقہ عام طور پر مروج تھا اور لوگ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ چنانچہ قدما اس بات کے قائل تھے کہ امراض کے وقوع و صدور میں تخیلات و تاثرات کافی طور پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح شفا اور صحت کے عوامل میں بھی

"نفسی علاج کا موضوع جتنا دلچسپ ہے، اتنا ہی ضروری بھی ہے۔
یہ کتاب اپنے موضوع پر کامل طور سے حاوی ہے، میں نے اسے ایک نشست میں ختم کر ڈالا تھا۔ پھر میرا جی چاہا کہ یہ اردو زبان میں منتقل ہو جائے، شیخ غلام علی اینڈ سنز نے میری یہ تمنا پوری کر دی، اور اب یہ کتاب آپ کے سامنے ہے؛

رئیس احمد جعفری
کراچی

ان کی اہمیت پوری طرح مسلم تھی یعنی ذہنی اور قلبی طور پر اگر عمل توجہ یکسوئی کے ساتھ جاری رکھا جاتا تو مرض سے شفایابی میں بہت آسانی ہوتی۔

چنانچہ بعض علما کا خیال ہے کہ انسانی کھوپڑی کے ایک حصّہ سے مرض کی شفایابی کے سلسلہ میں عام طور پر عہد قدیم میں کام لیا جاتا تھا، قدیم نفسی علاج ایک مدت مدید تک اسی طرح جاری وساری رہا۔ عہد جدید اور عہد قدیم کے ماہرین نفسیات کا نفسی طب کے سلسلہ میں جو اختلاف ہے وہ زیادہ تر تاویل وتعلیل میں ہے یا پھر اسباب اور مسببات کے رابطہ میں مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ قدما کا اعتقاد ہے کہ تعویذ اور منتر سے ہی مریض صحت ور اور تندرست ہوسکتا ہے اور عہد جدید کے علمائے نفسیات کا خیال ہے کہ شفاء کا اہم ترین سبب یہ ہے کہ مریض یہ اعتقاد قائم کرلے کہ وہ اچھا ہو رہا ہے، وہ اچھا ہو جائے گا، وہ اچھا ہوگیا!

مظاہر اختلاف

علمائے قدیم وجدید میں ایک اور اختلاف بھی ہے اور وہ ہے تنظیم و ترتیب کا، قواعد کے اصول ونظم کا، اور شرح اصول کا

طب یا تو جسمانی ہوتی ہے یا نفسی، ہر دو اعتبار سے یہ علم ایک خاص اصول کا پیرو۔ ایک خاص ضابطہ کا حامل، ایک خاص ترتیب کا پابند ہے یہ ایک ترقی یافتہ فن ہے جس کی تمام ضروری اور اہم چیزیں مدوّن اور مرتب ہیں، چنانچہ عہد قدیم میں جادو، شعبدہ، نجوم وغیرہ سے مرض کے باطل کرنے

اور مریض کے تندرست کرنے کے سلسلہ میں جو کام لیا جاتا تھا اور ایک خاص اصول اور ضابطہ کے ماتحت ہوتا تھا، یونہی اٹکل پچو نہیں ہوتا تھا۔ عہد قدیم میں نفسی علاج کے جو طریقے رائج تھے ان میں جادو (سحر) کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

سحر کیا ہے

راغب اصفہانی[1] نے اپنی کتاب مفردات میں ایک موقعہ پر لکھا ہے :-

"السحارۃ ما ینزع من السحر (= طرف الحلقوم) عند الذبح فیرلی بہ . . ."

سحارہ وہ چیز ہے جو حلق کے کسی گوشہ سے جانور کو ذبح کرتے وقت نکال کر پھینک دی جاتی ہے۔

راغب نے آگے چل کر لکھا ہے۔

"اسی سحارہ سے سحر نکلا ہے جس کا مطلب ہے سحر یعنی جادو ہونا۔ سحر کے عام طور پر جو معنی مراد لیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ دھوکا دینا یا ایسے تخیلات جو حقیقت اور واقعہ سے کوئی ربط و تعلق نہ رکھتے ہوں یہ سحر یا جادو، وہ فن ہے جس سے انسان کی نظر بند کر دی جاتی ہے۔ ہاتھ اتنی تیزی سے

---

[1] یعنی شیخ ابو القاسم۔ الحسین بن محمد بن الفضل الراغب الاصفہانی، جو فن لغت، فلسفہ اور اخلاق کے ماہر اور صاحب تالیفات کثیرہ تھے۔ پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں انتقال ہوا۔

کام کرتا ہے کہ وہ نظر کی گرفت میں نہیں آتا، یا ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن کا بظاہر کوئی مفہوم نہیں ہوتا لیکن سننے والے پر ان کا ایک خاص اثر پڑتا ہے اور وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ سحر یعنی جادو کے دوسرے معنی یہ مراد لیے جاتے ہیں کہ شیطان سے اعانت چاہی جائے اور اس کا تقرب حاصل کیا جائے، اور سحر یعنی جادو کا تیسرا مفہوم اغتام کا یعنی عجیبوں کا ہے سحر اسم اس فعل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس سے دیکھنے والے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ساحر اپنی قوت سے صورتیں تبدیل کر سکتا ہے، اور طبائع میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے وہ اگر چاہے تو انسان کو گدھا بنا دے یا بزدل کو مرد شجاع کر دے لیکن یہ بات محصلین یعنی ماہرین فن کے نزدیک کوئی وقعت اور اہمیت نہیں رکھتی"۔

جادو، طلسم، شعبدہ

ابن خلدون[1] نے اپنے مشہور مقدمہ میں "سحر" یعنی جادو پر ایک مستقل باب باندھا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

ساحروں کی تین قسمیں ہیں:-

۱۔ جادوگروں کی پہلی قسم وہ ہے جو کسی آلہ وغیرہ کا استعمال نہیں کرتی، صرف اپنے علم اور فن سے کام لیتی ہے، ان لوگوں کو فلاسفہ سحر کہتے ہیں۔

---

[1] ابن خلدون فلسفہ تاریخ کا ماہر، ولادت ۷۳۲ھ، وفات ۸۰۸ھ۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے، جو مزاج افلاک، مزاج عناصر، خواص اعداد، وغیرہ سے کام لیتی ہے، یہ لوگ صاحب طلسمات کہے جاتے ہیں۔ یہ لوگ پہلی قسم کے لوگوں کے مقابلہ میں کمتر سمجھے جاتے ہیں۔

۳۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو قوت متخیلہ پر اثر انداز ہوتے ہیں ساحر مسحور کی قوت متخیلہ کو اپنا تابع اور مطیع بنا لیتا ہے، اور اس میں جب مرض تصرف کرتا ہے وہ اسے اتنا قابو میں کر لیتا ہے کہ خیالات، محاکات، اور صور، جملہ انواع و اقسام پر اس کا تصرف قائم ہو جاتا ہے، اور وہ حسب مقصد جو چاہتا ہے وہی کیفیت اور تخیل پیدا کر دیتا ہے۔ وہ ساحر مسحور کو اپنی قوت کے زور سے ایسا معمول بنا لیتا ہے کہ اس کی قوت حسیہ پر غالب آجاتا ہے، جو چیز حقیقت میں نہ ہو اسے بھی وہ جب چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہے اور معمول کی نظر میں اسے دیکھنے لگتی ہیں۔ مثلاً باغ، نہر، محل وغیرہ کہ حقیقتاً خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ فلاسفہ کی اصطلاح میں یہ تیسری قسم شعبدہ کہلاتی ہے ــــ"

آگے چل کر ابن خلدون کہتا ہے

"یہ تو تھی ساحروں اور جادوگروں کی تفصیل مراتب، رہا یہ سوال کہ جادوگروں میں یہ فوق البشر قوت کیونکر اور کیسے پیدا ہوتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قوت ریاضت اور مشقت سے حاصل کی جاتی ہے، اور ریاضت سحر کا اصول ہے افلاک و کواکب کی طرف کامل توجہ، اور عالم علوی و سفلی و شیاطین سے تعلق، یہ توجہ اور تعلق مبنی ہوتا ہے

دیکھا جس نے بکری کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا جو اطمینان سے چراگاہ میں چر رہی تھی، اس کا معدہ فوراً ہی پیٹ سے نکل کر باہر آ رہا، اور زمین پر گر گیا!

جادو کے سلسلہ میں مغربی محققین نے بھی بعض دلچسپ اور قابل توجہ معلومات پیش کی ہیں اور بہت ہی اہم مواد جمع کیا ہے چنانچہ بعض کے نتائج فکر ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ قاموس الفلسفہ وعلم النفس[1] کا ایک حصہ خاص طور پر ملاحظہ طلب ہے:۔

"جادو کی تاریخ بہت طویل ہے، یہ ایک ایسا عمل تھا جو قبائل اور امم بدائیہ میں عام طور پر مقبول اور مروّج تھا!"

پھر آگے چل کر کہا گیا ہے۔

"اس فن نے اتنی کامیابی اور قبولیت حاصل کر لی تھی کہ انسان کا ابتدائی دور جب ختم ہوا یعنی جب اس نے حضارت اور تہذیب کی دنیا میں قدم رکھا تب بھی وہ اس سے بے تعلق نہ ہو سکا چنانچہ آج کی مہذب دنیا میں بھی یہ فن ناپید اور معدوم نہیں ہے۔"

جادو ــــــ!

"سحر، عبارت ہے مختلف اعمال صغیرہ وکبیرہ کے مجموعہ سے جو کسی

---

[1] Dictionary of Philosophy and Psychology Edited by Daldwin, article "Magie"

تعظیم و عبادت اور خضوع و تذلل پر"!

پھر ابن خلدون نے لکھا ہے:-

"جاننا چاہیے سحر کا وجود ایک واقعہ اور حقیقت ہے عقلا اس کی تاثیر اور وجود کے قائل ہیں، خود قرآن کریم میں سحر کا وجود تسلیم کیا گیا ہے اہل بابل میں کلدانیوں میں نبطیوں میں اور سریانیوں میں جادو بہت عام تھا، چنانچہ قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے، اور دوسرے آثار و احیاء سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے مصر اور بابل میں جادو کا بہت زور تھا جس زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اس زمانہ میں مصر گویا جادوگری کا بہت بڑا مرکز تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ ع نے ان کفار کے سامنے جو معجزہ پیش فرمایا، وہ اسی جنس سے تھا جو ان میں مقبول و رائج تھی"!

ابن خلدون کا مشاہدہ

اس سلسلہ میں سب سے دلچسپ اور اہم خود وہ تجربہ اور مشاہدہ ہے جو جادوگری اور ساحری کے ضمن میں ابن خلدون کو پیش آیا، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"میں نے ایسے جادوگر کو دیکھا جس نے ایک چادر یا چمڑے کی کھال کی طرف اشارہ کیا، اور اس سے آہستہ آہستہ کچھ کہتا تھا اور پھر یک بیک اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، میں نے ایک ایسے جادوگر کو بھی

۵۔ فال لینا۔
۶۔ نرد پھینکنا
۷۔ شخص زیر بحث کے صفات و ممیزات شخصیہ کا ورد کرکے کچھ چاہنا۔

سوال پیدا ہو سکتا ہے، ان تمام بیانوں سے آخر جادوگروں اور ساحروں کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ وہ یہ سب کچھ کیوں کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے۔

۱۔ ماضی کے حالات کی جستجو
۲۔ مستقبل کے معاملات پر اثر اندازی کی کوشش
۳۔ بیماری کا دور کرنا
۴۔ شر کا رفع کرنا
۵۔ صحت کا حاصل کرنا"

اس کتاب میں یہ بھی مذکور ہے :۔

"جادوگروں کی بہت سی قسمیں ہیں، جن میں سے چند کا ذیل کی سطروں میں ذکر کیا جاتا ہے :۔

۱۔ جادوگر۔
۲۔ کاہن ۔
۳۔ منجم ،
۴۔ شعبدہ باز

حد تک علانیہ بھی ہوتے ہیں، لیکن زیادہ تر ڈھکے چھپے ہوتے ہیں، جن تک عامۂ ناس کی نہ رسائی ہوتی ہے، نہ وہ انہیں پہچان سکتے ہیں"۔!

"جادوگر، دیوی، دیوتاؤں اور ارواح سے مدد طلب کرتے ہیں جو عالمِ غیب سے آتی ہیں اور ان کی مراد پوری کرتی ہیں۔ یہ ارواح اور یہ قوتیں، گویا جادوگر کے جسم میں ذہنی طور پر حلول کر جاتی ہیں اور ان کی قوت سے وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے، اکثر جادوگر انہی ارواح اور دیوتاؤں کے تقرب کے باعث جنہیں عام لوگ نہیں جان پاتے، قوت حاصل کرنے اور کمالات کے مظاہرے کرتے ہیں"۔!

ساحروں کے وسائل

جادوگر اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے جن وسائل سے استعمال کرتے ہیں، وہ یوں تو بہت ہیں، لیکن ان میں سے چند یہ ہیں:۔

۱۔ عمل توجہ، اپنی طرف مائل کرنے کے لیے،

۲۔ پوجا پاٹ، اور ایسے اشارات و حرکات جو بادی النظر میں بے معنی معلوم ہوتے ہیں لیکن نفوس انسانی پر ان کی تاثیر ایک بدیہی امر ہے۔

۳۔ ایسے بول، جو عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتے لیکن وہ یقیناً بامعنی ہوتے ہیں اور اثر انگیز بھی۔

۴۔ دشمن کے پتلے کو جلانا، یا اس کی کسی دوسری نشانی کو معدوم کر دینا۔

۵۔ جھوٹا مدعی نبوت*

۶۔ حاوی یعنی سپیرا

یہ قسمیں بیان کرنے کے بعد قاموس کے مصنف نے لکھا ہے :۔

"ساحروں کے اعمال و اقوال کا مبنی اور اساس صرف خیال یا وہم ہی نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایسے امور کا حامل ہوتا ہے، جو اگرچہ مبہم ہوتے ہیں لیکن اپنا ایک اثر اور مفہوم ضرور رکھتے ہیں، ان میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے حسبِ حال ان کی تاویل کر سکے"!

اقتباسات ثلاثہ

اوپر کے صفحات میں ہم نے تین اقتباسات پیش کیے ہیں، ایک راغب اصفہانی کی کتاب المفردات کا، دوسرا ابن خلدون کا اور تیسرا مسٹر ڈالڈون (Daldwin) کا۔

ان اقتباسات کے مبنی میں ضرور کہیں کہیں اور کسی حد تک اختلاف ہے لیکن مفہوم و معنی کا جہاں تک تعلق ہے، کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ کامل اتحاد ہے۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفسیات کے قدیم و جدید اس امر پر متفق ہیں کہ جادو ایک چیز ہے، صرف وہم اور خیال نہیں ہے نیز یہ کہ وہ اپنا ایک اثر بھی رکھتا ہے۔ اشخاص پر بھی اور حالات پر بھی نیز یہ کہ صحت امراض میں اور علاج معالجہ میں اسے ہمیشہ برتا گیا، گزشتہ زمانہ میں بھی، اور موجودہ دور میں بھی۔

جادو بہ حیثیت طب کے

ہم جادو یا سحر کے جس پہلو کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کر رہے ہیں وہ اس کی طبی اور علاجی حیثیت ہے، ساحر ایسی تاثیر کا حامل ہوتا ہے، جو مریض کے نفس پر مکمل طور پر اثرانداز ہوتی ہے، اس میں مریض سے زیادہ خود ساحر کی قوت ارادی کو دخل ہوتا ہے، ان میں وہ بولی بھی شامل ہیں جو ساحر، خاص طور پر، مریض کے کان میں بولتا ہے، یا ٹونے ٹوٹکے سے کام لے کر اس کی شفایابی کا ذریعہ بنتا ہے، یا منتر پڑھ کر ان کا مرض دور کرتا ہے۔

گو یا سحر اور جادو کی دوسری حیثیتیں جو ہوں، وہ تو خیر، لیکن اس کی ایک افادی حیثیت طب کی ہے، وہ بجائے خود ایک طب بھی رہا ہے، اور اس ساحرانہ طب سے لوگ پہلے زمانہ میں بھی فائدہ اٹھاتے تھے، اور موجودہ زمانہ میں بھی اٹھاتے ہیں۔

قدیم مصر میں جادو کے ذریعہ علاج

مصر کا سب سے پہلا ساحر جو تاریخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے وہ ہے "امختب" یہ بادشاہ "زومبر" کے زمانہ میں تھا اور بہت بڑا انجینیر بھی تسلیم کیا جاتا تھا "امحتب" اور "زومبر" کا دور ایک ہزار سال قبل مسیح کا دور ہے

طب نفسی اور طب جسمی

"امحتب" کو طب نفسی اور طب جسمی دونوں میں غیر معمولی مہارت تھی، اس لیے اس کا نام ہی "امحتب" پڑ گیا تھا جس کے معنی ہیں "وہ شخص جو سلامتی کا پیامبر ہو" اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مریضوں اور بیماروں کے درد کا درماں اور مرنے والوں کے لیے زندگی کا پیام بن کر امحتب نے کیسے گراں قدر کارنامے سرانجام دیئے ہیں، امحتب کو اس کی صداقت کی بنا پر قوم اور ملک کی طرف سے بہت سے خطابات بھی دیئے گئے تھے، مثلاً "صاحب اسرار" "حامی طب" "منبع فضیلت" اور چارہ ساز بیماراں!

پروردگار طب

ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امحتب نے مصری قوم میں کتنی

غیر معمولی مقبولیت اپنے کمالات شفا بخشی کے باعث حاصل کر لی تھی ، امحتب نے نفسی اور جسمانی طریقہ علاج میں اتنا کمال اور ایسی مہارت حاصل کر لی تھی کہ خود وقت کے طبیب اور معالج اسے "پروردگار طب" کے نام سے یاد کرنے لگے تھے ، یہ بڑے سے بڑا خطاب اور لقب تھا جو قوم کسی کو دے سکتی تھی۔

وادی نیل !

طب نفسی اور جسمانی نے مصر قدیم میں ، اتنا رواج حاصل کر لیا تھا ، اور اس کا حلیف اتنا زیادہ عام ہو گیا تھا کہ وہ قدیم ترین زمانہ میں بھی مریضوں کی چارہ سازی اور بیماروں کے علاج معالجہ میں اپنے اصول طب ، اپنے طریق علاج اور اپنی شفا بخشی کے لحاظ سے ساری دنیا کا امام اور رہنما تھا ، چنانچہ جدید متمدن دنیا آخر کار یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئی کہ "علم طب کا پودا وادی نیل ہی سے پھوٹا ہے" اور یہ اعتراف محض ظن و تخمین نہیں ہے ایک نمایاں حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ، مصر نے دنیا کو بہت کچھ دیا ہے ، لیکن طب کے سلسلہ میں جو کچھ دیا ہے ، وہ بہت زیادہ ہے اور اتنا زیادہ ہے کہ دنیا نہ اُسے بھول سکی ہے نہ آئندہ کبھی بھول سکے گی !

کاہنوں کا ایک مستقل طبقہ موجود تھا، جس کے بارے میں عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ وہ ارواح کو قابو میں کر کے انہیں بے بس کر سکتا ہے اور ان کے پیدا کیے ہوئے اثرات کو دور کر سکتا ہے۔ یہ کاہن، مذہبی پیشوا بھی تسلیم کیے جاتے تھے ان کاہنوں کا ارواح پر تسلّط تسلیم کیا جاتا تھا، اور اس تسلط سے کام لے کر وہ سحر باطل کرتے تھے، ترکیب یہ تھی کہ کاہن یا قسیس روح کو اس کا نام لے کر پکارتا تھا، اور پھر منتر پڑھ کر اس کے اثر کو باطل کرنے اور اسے اپنی کیفیت و قوت مؤثرہ سے دستبردار ہونے پر مجبور کرتا تھا۔ علاج کا یہ بہت عام طریقہ تھا، جسے اس زمانہ میں برتا جاتا تھا۔

حیرت انگیز

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ بتائی جاتی تھی کہ ساحر جب کسی ایسے شخص کا علاج کرنا چاہتا تھا، جو ارواح خبیثہ کی زد میں آگیا ہوتا تھا، تو وہ یہ ترکیب کرتا تھا کہ کچھ منتر پڑھ کر خبیث روح کو محسوس اور مادی شکل میں منتقل کرتا تھا، اور پھر اسے اور اس کے اثرات کو باطل کرتا تھا۔ خبیث روح کو محسوس اور مادی شکل میں منتقل کرنے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ساحر اسے پانی کی صورت میں تبدیل کر دیتا تھا اور یہ پانی ایک برتن میں بھر جاتا تھا، یہ برتن مریض کے سامنے توڑ دیا جاتا تھا۔ پانی بہہ جاتا تھا یا اسے کنکریوں اور سنگ ریزوں کی صورت میں تبدیل کر دیا جاتا تھا جنہیں مریض کے جسم سے چھوا دیا جاتا تھا، اور پھر پھینک دیا جاتا تھا، ایسا بھی ہوتا تھا کہ خبیث

بابل میں سحر سے علاج!

بابل کے رہنے والوں کا عقیدہ تھا کہ جب کبھی کوئی شخص بیمار پڑتا ہے تو یہ نتیجہ ہوتا ہے شیاطین یا ارواح خبیثہ کی کار فرمائی کا، اور شیاطین یا ارواح خبیثہ کی کار فرمائی نتیجہ ہوتی تھی مرد بیمار کے اعمال قبیحہ کا، یا پھر دشمنوں کے ٹونے ٹوٹکے کا:۔

ارواح خبیثہ!

بابل کے باشندوں کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ارواح خبیثہ کی بہت سی قسمیں ہیں، جن کی گنتی مشکل ہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ہر مرض کا ایک الگ شیطان ہوتا ہے، خود مرض کبھی نہیں پیدا ہو سکتا اگر شیطان نہ چاہے، یا وہ مرض پیدا کرنے پر تل نہ جائے، ان لوگوں کا یہ خیال بھی تھا کہ جس طرح مختلف طبیب مختلف امراض کے ماہر خصوصی ہوتے ہیں، اور اپنے متعلقہ امراض کا علاج بڑی کامیابی سے کر لیتے ہیں، اسی طرح یہ شیاطین ہوتے ہیں جنہوں نے الگ الگ اپنے لیے مختلف امراض بانٹ رکھے ہیں اور جس شخص کو چاہتے ہیں اپنے متعلقہ امراض کے مریض بنا لیتے ہیں۔ شیطانوں پر قابو پانے اور ان کے اثرات کو باطل کرنے کے لیے

روح کو سوئی کی صورت میں تبدیل کر دیتے تھے، جسے مریض پر رکھ دیا جاتا تھا، پھر فوراً اتار کر گھر سے باہر پھینک دیا جاتا تھا، غرض ارواح خبیثہ کو محسوس اور مادی شکل میں منتقل کرنے کی یہی صورتیں تھیں جنہیں عمل میں لایا جاتا تھا۔

نجوم میں مہارت

بابلیوں کو سب سے زیادہ جس چیز میں مہارت اور دستگاہ تھی وہ علم نجوم تھا، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس علم میں وہ سب پر سبقت لے گئے تھے، تو ذرا بھی مبالغہ نہیں ہوگا۔

ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ سورج، چاند اور تاروں کی حرکت کا بہت گہرا اثر انسان کی زندگی پر پڑتا ہے اس طرح گویا بابلی لوگ حکمائے یونان کے بھی استاد تھے جو علم الافلاک کے موجد اور واضع تسلیم کیے جاتے ہیں اور ان حکما اور عقلا پر بھی انہیں تقدم تھا، جو مرض، عقلی اور حرکات افلاک کے مابین ربط و تعلق کے قائل ہیں۔ چنانچہ پارا سیلوس[1] (۱۴۹۳ء تا ۱۵۴۱ء) کا خیال ہے کہ جو طبیب علم الافلاک سے ناواقف ہے، وہ اسباب امراض کی شناخت صحیح طور پر کر ہی نہیں سکتا اور نہ صحیح طور پر وہ طریقہ علاج متعین کر سکتا ہے وہ تشخیص اور علاج دونوں میں دھوکا کھائے گا، اور اس سے مریض کو فائدہ پہنچنے کا امکان نہیں ہے، جتنا نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ زندگی ساری کی ساری کواکب سے نکلی ہے۔ وہی زندگی کا مقصد ہیں اور وہ زندگی کے تمام اعمال و

---

[1] Pracelsus

اجسام پر یکساں طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

کواکب کا اثر!

چنانچہ سورج انسان کے سر پر اثر انداز ہوتا ہے، چاند دماغ پر، مشتری جگر پر، زحل دونوں گردوں پر، مریخ صفرا پر، زہرہ پیٹھ پر، اسی طرح دوسرے ستارے دوسرے اعضا و جوارح پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور اسی اثر کے نتیجہ میں انسان کی زندگی اور صحت پلٹے کھاتی رہتی ہے۔ مقناطیس بھی علاج امراض میں کافی اہمیت رکھتا ہے جسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا!

یہ خیالات بعد میں بھی ایک مستقل اور مستحکم نظریہ کی صورت میں قائم اور رائج ہیں۔

۱۷۷۸ء میں مسٹر مسمر Mesmer نے یہی خیالات پیش کئے لیکن ان میں کوئی ندرت نہ تھی، کیونکہ یہ نظریات قبل عہد مسیح سے موجود تھے اور ان کے اثرات آج تک ہمارے زمانہ میں بھی باقی ہیں!

یونان اور جادو

بعض علماء کا خیال ہے کہ یونان کی تہذیب و تمدن عمر کے لحاظ سے مصر اور بابل سے زیادہ ہے چنانچہ قدیم عہد میں یونان کے عوام کے اندر علم طب عام طور پر شائع اور رائج تھا، اور امراض کا علاج سحر کے ذریعہ بھی وہاں کوئی نئی بات نہ تھی بلکہ جادو کا علاج بھی وہاں اتنا ہی مقبول اور دل پسند تھا جتنا جسمانی علاج، چنانچہ وہاں کے روایات و رسوم میں، اور تاریخ حضارت میں بکثرت اس کے شواہد ملتے ہیں۔

ساحری کی شرائط

چنانچہ یونان میں ساحر بننا آسان نہیں تھا۔ کوئی شخص ساحر نہیں بن سکتا تھا، جب تک وہ چند خاص شرائط کی پابندی کر کے اپنی زندگی کو اسی سانچہ میں نہ ڈھال لے، ساحر کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی زندگی ایک خاص مسلک کے ماتحت گزارے، وہ مسلک کیا تھا ——— ! وہ شرائط کیا تھیں؟ ——— !

ساحر بننے کے دوران میں علم سحر کے طالب کا فرض تھا کہ وہ

(۱) ہر روز وقت معینہ پر غسل کرے۔

(۲) اپنے جسم پر روغن زیتون کی مالش کرے،

(۳) مچھلی بالکل نہ کھائیے

(۴) روزے کثرت سے رکھے،

(۵) ایسا لباس پہنے جو سادہ ہو، بغیر سلا ہوا ہو، جس میں کوئی گرہ نہ ہو، جس میں کوئی کمربند نہ ہو،

(۶) اپنے عقیدہ میں ثابت، قدم ہو،

(۷) اپنے عمل میں مخلص ہو،

(۸) امانت دار، اور ایمان دار ہو،

(۹) اپنے معمولات میں وقت کا پابند ہو،

ساحر کے لیے ان شرائط کی پابندی لازمی اور ضروری تھی، بغیر ان شرطوں کی بجاآوری کے نہ ساحر، ساحر بن سکتا تھا، نہ اس طبقہ میں وہ کوئی عزت اور مقام حاصل کر سکتا تھا، ان شرائط سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ساحر بننے کے لیے کتنی مشقت کی زندگی طالب کو بسر کرنی پڑتی تھی!

سحر کے اوقات

سحر کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس کے اوقات مناسب کا خاص خیال رکھا جائے، چنانچہ اعمال سحریہ کے لیے جو اوقات خاص طور پر بہتر اور مناسب خیال کئے جاتے تھے، وہ یہ تھے،

(۱) رات کا وقت　　　(۲) غروب آفتاب کا وقت

(۳) طلوع آفتاب کا وقت　　　(۴) چاند جب ہلال یا بدر بن چکا ہو۔

یہ ضروری تھا کہ 'ساحر' اپنے سحر کے معمولات میں ان اوقات کی پابندی کی سختی کے ساتھ لحاظ رکھے، کیونکہ خیال کیا جاتا تھا کہ سحر کی اثر انگریزی اور تاثیر میں وقت کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے، اور وقت ایسا ہونا چاہیئے جو مشق اور تجربہ کے بعد پہلے سے موزوں اور مناسب مانا جا چکا ہے، چنانچہ گزشتہ سطروں میں سحر کے جو اوقات ضرور بہ تجربہ کے آگے رہیں، سحر کی تاثیر اور کیفیت کو بڑھانے میں بہت زیادہ معین اور سازگار مانے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ساحروں کے طبقہ میں ان اوقات نے بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ اور ان کی پابندی ایک اصول اور مسلک کی طرح ناگزیر اور اہم تسلیم کر لی گئی ہے چنانچہ ساحروں کے جتنے گروہ اور طبقات تھے وہ ان اوقات کے ضبط کے خوگر تھے، اور ان کی بجا آوری کو اپنی کامیابی کے لیے ضروری شرط قرار دیتے تھے۔

ساحر کی پہچان!

بلاد یونان میں چونکہ سحر نے ایک خاص علم اور فن کی صورت حاصل کر لی تھی، اس لیے یہ بہت زیادہ منظم اور مستحکم ہو گیا تھا، اور اس کے جزئی اصول ا ضوابط تک مرتب ہو گئے تھے،

چنانچہ ساحر کی شناخت کے لیے بھی یونان میں چند خاص اصول اور ضابطے رائج تھے، اور ہر ساحر کے لیے ضروری تھا کہ وہ ان اصولوں اور ضابطوں کا پورا پورا احترام کرے، اور پوری سچائی اور دیانت کے ساتھ ان پر عمل کرے۔

وہ اصول اور ضابطے کیا تھے؟ :-

(۱) یہ کہ ساحر کے ہاتھ میں جب وہ باہر نکلے تو سحر کا ڈنڈا ہو،

(۲) لباس پر کنجیوں کا گچھا لٹک رہا ہو،

(۳) مختلف رنگ کے دھاگوں سے اس کا لباس تیار کیا گیا ہو،

(۴) کوئی موسیقی کا آلہ بھی اس کے پاس ہو،

ان علامتوں کو ساحر کے لیے یوں لازمی اور ضروری قرار دیا گیا تھا، کہ اس کی شناخت آسان ہو جائے، اور ہر ضرورت مند اسے آسانی سے پہچان سکے اور اس سے اپنے درد کا مداوا چاہ سکے، ان باتوں کے علاوہ ایک یہ بات بھی تھی کہ اس طرح خود ساحر میں ایک آن بان پیدا ہو جاتی تھی۔ اور اس کی ایک شان نکل آتی تھی!

ابتدائی تیاری!

معالجہ سے قبل ابتدائی تیاری کے طور پر کبھی ایسا بھی کیا جاتا تھا۔ کہ مریض کو ان مندروں میں سے کسی ایک میں لا کر مقیم کرتے تھے، جو روحانی علاج کے مریضوں کے لیے خاص طور پر برتے جاتے تھے۔ اس طرح کے مندر اسکلیپوس[۱] میں بہت زیادہ تھے، نیز شہر ابیدروس[۲] میں بھی ایسے مندر بہت کافی پائے جاتے تھے۔ ان مندروں میں ہر طرف بہ تعداد کثیر مریض آتے تھے ان مریضوں میں وہ بھی ہوتے تھے، جو بہت دور دراز مقامات سے مصائب سفر برداشت کر کے گرتے، پڑتے، کھوئی ہوئی صحت کی بحالی کی امید میں پہنچتے تھے، یہ لوگ مندروں میں آنے کے بعد نہایت قیمتی چڑھاوے چڑھاتے تھے نذرانے

---

[۱] ASKlEPios [۲] Epidaurus

دیتے تھے اور قربانیاں کرتے تھے۔ تاکہ دیوی اور دیوتا خوش ہو جائیں اور مرض کا علاج آسان ہو جائے۔ یہاں آنے کے بعد ان کا پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ ایک خاص قسم کے پانی سے جو اس غرض سے الگ رہتا تھا، انہیں غسل کرنا پڑتا تھا۔

مراسم کے بعد

ان مراسم کی بجا آوری کے بعد مریض کو ایک خاص کمرے میں بھیج دیا جاتا تھا۔ تاکہ وہاں کم از کم ایک دن تک وہ سفر کی کلفت دور کرے، آرام کرے اور سوئے، مریض کو ان مجلسوں میں بھی شریک ہونا پڑتا تھا، جہاں بھجن گائے جاتے تھے اور اپدیش دیا جاتا تھا، اور طرح طرح کی نصیحتیں کی جاتی تھیں۔ تب کہیں جاکر مریض کو اصل مندر میں داخلہ کی اجازت ملتی تھی، یہاں آنے کے بعد اسے ایک دیوتا کی مورتی دکھائی جاتی تھی، جو سونے اور ہاتھی دانت کی بنی ہوئی تھی، مورت کے سامنے مریض کو پوجا کرنی پڑتی تھی، پھر وہ دعا مانگتا تھا کہ مرض سے اسے شفا بخشی جائے پھر اس کے بعد دوبارہ پوجا پاٹ کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا، جب مریض کے وجدان پر، اور اس کی نفسیات پر، کیف و تاثر کا خاص عالم طاری ہو جاتا تھا، تب اسے ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ ان جانوروں کی کھال کا بستر بنا کر لیٹے اور سو جائے، جن کی آج قربانی کی گئی تھی، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس غرض سے ایسے جانوروں کی کھالیں بستر کے طور پر مریض کو دی جاتی تھیں جو قربانی کے نہیں ہوتے تھے۔ اس طرح کی کھالیں بھی ہر وقت مندر میں موجود رہتی تھیں۔

خواب!

ہر مریض اس تاثر اور کیف کے عالم میں جب سوتا تھا تو وہ خواب میں "اپولو" کو ضرور دیکھتا تھا کہ وہ اس کے مرض کا علاج کر رہا ہے اور وہ شفایاب ہو رہا ہے، اگر اس طرح مریض شفایاب ہو جاتا تھا، تب تو خیر کوئی بات نہیں، اور اگر شفایاب نہ ہوا، تو اسے بتایا جاتا تھا کہ وہ پھر سے قربانی کرے،

سکندر اعظم کے عہد میں "اسکلپیوس" کے بہت سے مندر تھے۔ اس دیوتا کی پوجا اہل روم نے بھی ۲۹۳ق م قبل مسیح سے شروع کر دی تھی۔ چنانچہ اس دیوتا کا ایک نہایت عالی شان مندر انہوں نے ایک نہر کے قریب بنایا تھا، یہ مندر اپنی ساخت اور شکل و صورت کے اعتبار سے بلا دیونان کے ان مندروں سے بہت مشابہ اور مماثل تھا، جو عام طور پر اس دیوتا کے نام پر وہاں بنائے گئے تھے، ان مندروں میں ابیدوروس، ایتھنا، اور کوس کے مندر بہت زیادہ مشہور تھے اور خاص طور پر مریضوں، بیماروں اور صحت کے طلب گاروں کا مرجع بنے ہوئے تھے، ہر چہار طرف سے لوگ اپنے درد کا درماں تلاش کرنے پہنچتے تھے،

کوس کا مندر!

کوس[1] کے مندر میں ایک طبی درس گاہ بھی قائم کی گئی تھی، یہ ۶۰۰ء قبل مسیح کا واقعہ ہے، یہی درس گاہ بعد میں "مدرسہ بقراط" کے نام سے مشہور و معروف

---

[1] Cose

ہوئی۔ یہ واقعہ (۳۶۷ء۔ ۳۵۱ء ق۔م کا ہے) طب کا علم باقاعدہ اور منظم طور پر یہیں عالم وجود میں آیا، اور یہیں کے اساتذہ کی سعی وجہد کا یہ نتیجہ نکلا کہ طب کا علوم طبیعہ میں باقاعدہ شمار ہونے لگا۔ ورنہ اس سے پہلے یہ علم اگرچہ عام طور پر رائج اور مقبول تھا لیکن اس کا کوئی علمی پایہ نہیں تھا، نہ یہ فنی عظمت حاصل کر سکا تھا،

بقراط کا مدرسہ!

اس مدرسہ کی تاریخ یہ ہے کہ یہ پہلا علمی مدرسہ تھا، جہاں سے طبّی رسائل باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوئے تھے، چنانچہ مرگی کے مرض پہ یہاں سے جو رسالہ شائع ہوا تھا، وہ بہت زیادہ مشہور ہوا۔ مرگی کے مرض کا نام "مرض ربانی" رکھا گیا تھا، کیونکہ اس زمانہ میں یہ عقیدہ تھا کہ یہ مرض من جانب اللہ کسی شخص کے حصہ میں آتا ہے۔

رسالہ صرع (مرگی) کے لکھنے والے نے بھی اس عقیدہ کو اختیار کیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مرض، دوسرے امراض کی طرح ہے، مرض کی حیثیت سے اسے کوئی خاص امتیاز نہیں حاصل ہے، جس طرح دوسرے امراض و علل کے طبیعی اسباب ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس مرض کا ظہور بھی انہی طبیعی اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مولف رسالہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس مرض کا نام "ربانی" اس لیے پڑ گیا کہ لوگ اس کی کنہ اور علت کو سمجھ نہیں پاتے، اور اگر ہر وہ چیز "ربّانی" قرار دے دی جائے جس کے سبب اور علت کا پتہ نہ چل سکے، تو ربانی چیزوں کی فہرست مرتب کرنا مشکل ہو جائے گا، کیونکہ

ایسی چیزیں بہت کم ہیں، جن کے بارے میں تمام معلومات لوگوں کو حاصل ہیں اور ایسی چیزیں بہت زیادہ ہیں جن کے بارے میں لوگوں کے معلومات، علم اور واقفیت کا کیسہ خالی ہے۔

شاید یہ پہلا رسالہ تھا، جس نے خرافات اور عوام کی روایات سے الگ ہٹ کر حقیقت کو پرکھنے اور جاننے کی کوشش کی، اور اس کے بعد سے طب کا شمار ان علوم میں ہونے لگا، جو تجربی کہلاتے ہیں، یعنی ظن اور تخمین کی رہ گزر سے ہٹ کر، تجربہ اور واقفیت کی منزل پر، طب کا قافلہ پہنچ گیا۔

افلاطون کا دور!

۳۸۰ ق م کے لگ بھگ افلاطون کے علم و تفصیل، کمال اور دانش نے دنیا کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس نے لوگوں کے سامنے زیادہ سائنٹیفک اور صحیح اسلوب پر خوابوں کی تعبیر بیان کرنی شروع کی، اور اس طرح اس نے اہمیت اور افادیت حاصل کر لی، افلاطون کے کلام سے یہ بھی اخذ کیا گیا کہ نفسی اور انفعالی حالات کی تاثیر کا جسم کی صحت سے بڑا گہرا ربط اور تعلق ہے چنانچہ ایک موقع پر اس نے کہا:۔

> "جسم کا علاج اس وقت تک صحیح طور پر ممکن نہیں ہے جب تک نفس کا اچھی طرح مداوانہ کر لیا جائے، اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے جسم کا علاج کرو اور اسے ٹھیک ٹھاک رکھو تو تمہارے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تم اپنی عقل، اور ذہن کا علاج کرو۔ یہ چیز بہر حال

مقدم ہے، اس کے بغیر جسم کا ڈھانچہ صحت یاب نہیں ہو سکتا"۔

جسم کی شفا اور عقل کے علاج کے مابین کیا ربط و تعلق ہے۔ اس کا اندازہ اس کے اس قول سے ہوگا۔

"میرا خیال ہے کہ یونان کے طبیب اگر جسم کا علاج کرنا چاہتے ہیں تو انہیں سب سے پہلے عقل کے علاج پر متوجہ ہونا چاہیئے کیونکہ طب کا جہاں تک تعلق ہے، وہ تطہیر جسم اور تطہیر عقل دونوں سے عبارت ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ایک بھی ناقص ہے، تو دوسرے کا ناقص ہونا بھی ضروری ہے، ایک اگر خطرے میں ہے، تو دوسرا بھی خطرہ سے بچ نہیں سکتا چنانچہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ عقل کی تقویت صرف اس وقت ممکن ہے جب انسان جسم سلیم کا حامل ہو، اس طرح اگر جسم کی توانائی اور تندرستی کے لیے ضروری ہے کہ عقل پختہ اور تنومند ہو، وہ نفس ہی ہے جو جسم میں صحت قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، اور جسم کی توانائی اور صحت میں عقل یعنی نفس کا بہت بڑا حصہ ہے"۔

طب عامہ اور علاج نفسی میں رومیوں نے کوئی خاص دستگاہ نہیں حاصل کی۔

یہودیوں کا دورِ کمال

اب ہم عہد قدیم کے ایک اور اہم دور کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یہ دور ہے یہودیوں اور اسرائیلیوں کا، جو عہد قدیم سے بہت گہرے طور پر مربوط اور وابستہ ہے۔ اس دور میں جو ہمیں جو چیز بہت زیادہ نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے وہ ہے دینی روح کی طرف ان کا غایت درجہ انہماک اور شغف اور یہ انہماک و شغف نتیجہ ہے انبیائے بنی اسرائیل اور حکمائے یہود کا، جن کی تعلیم و تربیت نے ان میں بہت زیادہ دینی جذبہ پیدا کر دیا تھا اور اس جذبہ نے ان کی سیرت اور کردار پر بہت گہرے نقوش ثبت کرائے تھے.

یونان، روم، اور یہود

جس طرح یونان اور روم کے دور میں ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ ان کے ہاں انکار اور تابعیت کی مرجعیت عام تھی، یہودیوں کے ہاں یہ بات نظر نہیں آتی یونان، جس چیز کو علمی بحث اور تحقیق سے پاتا تھا. یہود اس سے زیادہ اپنے غیر متنزلزل اعتقاد سے پا لیتے تھے۔

یہودیوں میں، دینی شعور بہت زیادہ پختہ اور مکمل تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں نفسی قوت، یا نفسیاتی، عزم بھی بہت بلند تھا، اسی باعث وقت کی

دوسری قوموں اور ملتوں کے برعکس، یہودیوں کے ہاں خرافات کا اعتقاد، اساطیر پر توجہ، داستانوں اور ناقابل اعتبار روایتوں سے لگاؤ، کہانیوں اور بے سروپا باتوں سے شیفتگی کا جذبہ بہت کم پایا جاتا ہے، سحر اور شعبدہ بازی کے بھی وہ کچھ بہت زیادہ قائل نہیں تھے۔ بلکہ ان چیزوں کو وہ از قبیل خرافات ولغویات سمجھتے تھے، ان کے عقیدہ اور عمل کا مدار جو کچھ تھا، وہ صرف دینی شعور پر تھا، اس بنیاد پر ان کی قومی زندگی قائم تھی، اور اسی زندگی کے فروغ وکمال کے لیے وہ اپنی حدود کے اندر رہ کر جدوجہد اور سعی وکوشش کرتے رہتے تھے، دوسری بت پرست اور مظاہر پرست قوموں کے مقابلہ میں صرف یہود پہلی قوم تھی، جس نے روح اور دین کو اپنا ملجا اور ماوی بنایا، اور اس پر ایک عرصہ تک قائم رہی۔

یہود کے عقائد!

یہود کے ہاں خدا کا نام "یہوہ"، ہے۔ اس خدا کو" واحد"، اور ہر چیز پر قادر مانتے ہیں، اسی کے ہاتھ میں زندگی ہے، اسی کے ہاتھ میں موت، وہ جسے چاہتا ہے صحت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے بیمار ڈال دیتا ہے، وہ طبعاً رؤف ورحیم ہے۔ اپنے بندوں کو خواہ مخواہ ایذا نہیں دیتا، اس کی مثال اس محبت کرنے والے اور سراپا شفقت باپ کی سی ہے، جو اولاد کو صرف سرزنش کے لیے سزا دیتا ہے، اس کی سزا کا مقصد ایذا نہیں ہوتا، اصلاح ہوتا ہے، چنانچہ وہ گناہگار اور خاطی کو، جنون، اندھے پن اور سرگشتگی قلب کی سزا بھی دیتا ہے[1]۔

---

[1] سفر التثنیہ، اصحاح - ۲۸ - ۲۸

یہودیوں کے نزدیک امراض کی علت اور سبب گناہ ہوتے ہیں، وہی بیمار پڑتا ہے جو گناہ گار ہو، گناہ اور مرض میں ایک خاص ربط اور تعلق ہوتا ہے، جو برابر قائم رہتا ہے۔ یہ عقیدہ یہودیوں کے دور اوّل میں بھی رائج اور شائع تھا، اور عصر ربانیین میں بھی، یہ یہودیوں کے اذہان وعقول پر غالب اور مسلط رہا، چنانچہ ربی یونانان کا قول ہے:-

"کسی مرض کا ظہور حسب ذیل سات اسباب میں سے، سب یا چند، یا کسی ایک کا نتیجہ ہوتا ہے۔

(۱) غیبت اور گالی گلوچ۔ (۲) خون ریزی۔

(۳) جھوٹی قسم۔ (۴) بے عصمتی اور شرپسندی۔

(۵) غرور (۶) چوری (۷) حسد۔

ضروری ہے کہ جب کوئی شخص بیمار پڑے تو ان اسباب میں سے کوئی سبب موجود ہو!"

صحت کی صورت!

جب بات یہ ٹھہری کہ مرض کا سبب گناہ قرار پایا تو صحت کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

صرف یہ کہ مریض خود اپنا جائزہ لے، اور اپنے نفس کا احتساب کرے اپنے گناہوں کو ڈھونڈے اور پہچانے، اور جب ڈھونڈ لے اور پہچان لے تو توبہ کرے اور پختہ ارادہ کر لے کہ اب گناہ اس سے کبھی سرزد نہیں ہونے

پائے گا۔ نیز اپنے گناہ کا اعتراف بھی خدا کے سامنے کرے، مغفرت چاہے اور اس کی رضا و خوشنودی کا جویا ہو، پھر جب "یہوہ" اسے معاف کر دے گا۔ اور اس کی توبہ قبول کرلے گا، تو وہ ضرور شفایاب ہو جائے گا:۔

اسی طرح جب کبھی پوری بستی پر کوئی وبائے عام نازل ہوتی ہے، تو اس بستی کے تمام باشندوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے گناہوں کا خدا کے سامنے اعتراف کریں، اللہ سے مغفرت کے طالب ہوں، یہاں تک کہ وہ وبائے عام پروردگار کی طرف سے اٹھالی جائے، اس لیے کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ وبائے عام اس وقت نازل ہوتی ہے، جب پوری بستی یا پوری قوم من حیث المجموع گناہوں میں گرفتار ہو، اور پانی سر سے اونچا ہو چکا ہو:۔

حضرت ایوبؑ کا قصہ!

لیکن مرض اور گناہ کا ربط یہودیوں کے ہاں بھی کسی حد تک باعث تضاد ہے، چنانچہ خود ربی مسٹر نے ایک طرف تو یہ اعتراف کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے مابین معاملہ دوسرا ہے یعنی ان کی بیماری کسی گناہ کا نتیجہ نہ تھی کیونکہ حضرت ایوب کو اگرچہ بہت لمبی اور کٹھن بیماری اٹھانی پڑی لیکن بہرحال وہ متقی اور صالح تھے معصوم تھے، ہر قسم کے اثم اور معصیت سے بری تھے، اور دوسرے طرف ربیؔ مذکور کا یہ کہنا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ایسے گناہوں کی پاداش میں بھی بیماری کی سزا ملتی ہے جو اسرار خفی میں شمار ہوتا ہے اور جن کا ادراک دوسرے لوگ نہیں کر سکتے بلکہ سوا خدا کے کوئی انسان بھی ان کی

ماہیت اور حقیقت، اصلیت اور کیفیت تک نہیں پہنچ سکتا، چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کا معاملہ بھی ایسا نہیں تھا، ان کو جو عقوبت خدا کی طرف سے ملی، وہ اسرار خفیہ میں سے تھی، جس کا ادراک اور علم کسی انسان کو بھی نہیں ہو سکتا!

یہود کا طرز علاج!

یہودیوں کے عقائد پر گزشتہ سطروں میں کافی روشنی پڑ چکی ہے، اب ان کے طرز علاج پر گفتگو ہو گی،

اپنے عقائد کی رو سے یہودیوں کا طرز علاج یہ تھا کہ وہ اپنے مرض اور بیماریوں کی توبہ اور رجوع الی اللہ سے دور کرنے کی کوشش کرتے تھے یہودیوں کے علما اور بزرگان دین انہیں سختی سے تلقین کرتے تھے کہ وہ سحر اور کہانت پر ہرگز اعتقاد نہ رکھیں، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ اس حکم امتناعی کے باوجود وہ شیطان پر اعتقاد رکھتے تھے، اور یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ وہ انسان کا دشمن ہے اور اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہ شیطان کے ساتھ ساتھ ارواح کے وجود کے بھی معترف تھے، لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ علاج امراض میں ارواح کی مدد اور اعانت کے طالب نہیں ہوتے تھے، کاہنوں اور ساحروں سے بھی یہ لوگ صرف اس حد تک تعلق رکھتے تھے کہ ان کے مستقبل کی باتیں معلوم کر لیا کرتے تھے، لیکن ان سے علاج امراض کے سلسلہ میں بالکل رجوع نہیں کرتے تھے، نہ ان کے سحر اور شعبدہ سے کسی درجہ میں بھی متاثر ہوتے تھے، امراض کے علاج کے سلسلہ میں وہ صرف خدا کو واسطہ بناتے تھے، اسی سے اعتراف گناہ

کرتے تھے اور اس سے شفا کے طالب ہوتے تھے۔

یہود کا نیا عقیدہ!

لیکن ظہور مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں یہودی ایک دوسرے عقیدہ کو بھی ماننے لگے تھے، یعنی اب وہ شیاطین کے ساتھ جنوں کے وجود کا اعتراف بھی کرنے لگے تھے، اور اس اعتراف کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی ماننے لگے تھے کہ جسمی اور عقلی امراض کے انتشار میں شیطانوں اور جنوں کا دخل ہوتا ہے، یہ عقیدہ تلمود کی اس تعلیم کے بالکل خلاف تھا کہ تمام امراض خواہ وہ جسمانی ہوں یا عقلی، وہ ہرگز شیطان کے مس کرنے، یا جن کی ضرب کا نتیجہ نہیں ہوتے اور یہ کہ اگر صحیح طور پر ان امراض کا علاج کیا جائے، تو شفا اور تندرستی ممکن ہے۔

یہود اگرچہ سحر کے علاج کے سلسلہ میں قائل نہیں تھے۔ لیکن وہ خود بھی جو منتر مریض کے کان میں پڑھ کر پھونکتے تھے۔ وہ ایک قسم کا سحر ہی تھا، وہ مجروح یا مریض کے کان میں اپنی مذہبی کتاب "خروج" کی یہ آیت پڑھ کر پھونکا کرتے تھے۔

خروج کی آیت!

"اگر تو اپنے معبود اور رب کی باتوں پر کان لگائے، اور وہی کرے جس کا اس نے حکم دیا ہے، اس کی آیتوں کی پوری پوری پیروی کرے اور جو فرائض اس نے عائد کر رکھے ہیں ان پر مکمل طور سے عمل کرے، تو خدا تجھ پر کوئی ایسا مرض نہیں نازل

کرے گا، جو امراض اس نے مصریوں پر نازل کیئے تھے۔
میں تیرا رب ہوں اور تجھے بیماری سے چنگا کرتا ہوں!"
کوئی شبہ نہیں کان میں اس آیت کے پہنچنے کا نفسیاتی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مریض ایک قسم کا سکون محسوس کرنے لگتا تھا، اس کے اعصاب میں بھی سکون آ جاتا تھا، اور اس کا اعتقاد، اسے شفا یابی پر مائل کردیتا تھا۔ اور اس آمادگی کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بعد میں وہ واقعی تندرست اور چنگا ہوجاتا تھا، لیکن شرط یہ تھی کہ کان میں یہ منتر پھونکنے والا ایسا شخص ہو جس کی شخصیت قوی اور اثر انگیز ہو، وہ اس پر قدرت رکھتا ہو کہ جو کچھ کہے، مریض کے دل میں اس کا قول اعتقاد بن کر راسخ ہو جائے۔

یہود کے احبار اور کاہن!

اگرچہ یہود کے احبار اور کاہن عام طور پر مذکورہ طریق علاج پر عامل تھے لیکن وہ طب میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، چنانچہ ایک بڑی جماعت ان میں ایسی تھی جو صرف طب کی طرف متوجہ تھی، اور اس فن میں بہت کافی استعداد اس نے بہم پہنچائی تھی۔

ان یہودی طبیبوں کا یہ عقیدہ تھا کہ شفا صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، لیکن اس نے اطبا میں علاج کی قدرت ودیعت کردی ہے، لہٰذا وہ علاج کے ساتھ ہی ساتھ مریضوں کو یہ ہدایت بھی کرتے تھے کہ اللہ سے دعا کرتے رہیں وہ انہیں مرض سے نجات دے، اور شفا عطا کرے، اس دعا کے بعد، طبیب کی

طرف متوجہ ہوں، اور اس سے علاج کرائیں، تب جا کے کوئی مفید نتیجہ مرتب ہوگا!

انبیاء بنی اسرائیل

انبیائے بنی اسرائیل سے منقول ہے کہ "یہوہ"، یعنی خدا نے انہیں مریضوں کو توانا اور تندرست کر دینے کی قوت بخشی ہے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ اشعیا نبی نے بادشاہ خزقیل کو حکم دیا، جب کہ وہ ایک پھوڑے کی تکلیف میں مبتلا تھا کہ وہ اس پر مٹی کی پلٹس رکھے، اور یسع نبی نے لقمان کو حکم دیا کہ وہ نہر اردن میں چھ مرتبہ غوطے لگائے تاکہ اسے شفا حاصل ہو جائے، حالانکہ عام طور پر لوگ جانتے تھے کہ اس نہر کا پانی طبی نقطہ نظر سے کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہے"!

یہودی طبیب اپنے علاج میں جس بات پر بہت زیادہ توجہ کرتے تھے وہ یہ تھی کہ وہ مرض کی جڑ کاٹنے کی فکر کرتے تھے، تاکہ پھر اس مرض کا مریض پر حملہ ہی نہ ہو سکے اس لیے سب سے پہلے وہ جس چیز کی جستجو، اپنی تشخیص کے سلسلہ میں کرتے تھے وہ یہ تھی کہ اس مریض نے کون سا گناہ کیا ہے؟ اور جب گناہ کا پتہ لگ جاتا تھا تب مریض سے اعتراف اور توبہ کراتے تھے، تاکہ اب وہ اس گناہ کے ارتکاب کی طرف مائل ہی نہ ہو،

خلاصہ کلام یہ کہ یہود طبیبوں کی طب سب سے پہلے جس چیز پر اپنی توجہ مرکوز کرتی تھی وہ یہ تھی کہ مریض گناہ اور معصیت سے پاک وصاف ہو جائے جب تک مریض ایسی زندگی کا مالک نہ ہو جائے، جو ظاہر ہو اور گناہ سے خالی ہو، وہ ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔

شرح و تعلیق

اوپر کے صفحات میں مختصر طور پر ہم بتا چکے ہیں کہ ظہورِ مسیح سے پہلے امراض جسمانی اور امراض عقلی کے سلسلہ میں دو قسم کے طریقہ ہائے علاج عام طور پہ رائج تھے

(۱) طریقۂ سحر —— اور اس کی مختلف اور متعدد صورتیں تھیں،

(۲) طریق یہود — جس کی بنیاد اس امر پر تھی کہ مریض کو پہلے ہر قسم کے گناہ اور معصیت سے پاک و صاف کر لیا جائے، پھر اس کے جسمانی یا عقلی مرض کا علاج کیا جائے!

قدیم و جدید

گزشتہ صفحات میں ہم ذرا تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ سحر ایک وسیلۂ طبی کی حیثیت سے اپنے دور میں کتنا کامیاب رہ چکا ہے، اس سلسلہ میں چند باتیں اور ہیں جن کا اس موقع پر ذکر ضروری ہے۔

عہد جدید کے علم النفس نے یہ بات مان لی ہے کہ مختلف اور متعدد تجارب کی روشنی میں استہوا اور مشارکت وجدانیہ نفس کے بہت بڑے عامل ہیں یہ بات بھی عہد جدید میں ثابت ہو چکی ہے کہ ایحا کے قبول کرنے اور منشا وقت وجدانیہ کی

طرف مائل ہونے کا اصول انسانی فطرت کا جزو بن چکا ہے، اور ہر دور میں یہ جاری وساری بھی رہا ہے، اسی طرح یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ استہوا کی تاثیر اس وقت تک صحیح اور مکمل طور پر برسرِ عمل نہیں ہو سکتی، جب تک چند خاص شروط نہ پائے جائیں، ان شروط میں سے اہم ترین یہ ہیں؛

(۱) مستہوی، یعنی اپنی طرف مائل کرنے والے کی قوت ارادی،

(۲) ؍ ، یعنی مائل کرنے والے کی لیاقت و مہارت،

(۳) ؍ ، یعنی مائل ہونے والے کی استعداد قبول،

(۴) خارجی تاثرات، جو کامیابی میں معین ہوتے ہیں۔

مذکورہ امور کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اپنے وقت میں سحر کو اور ساحروں کو جو کامیابی ہوئی تھی وہ کیوں ہوئی تھی؟ اس سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اول ــــــ ساحر کا اپنے اوپر مکمل اور غیر متزلزل بھروسہ، بہ یقین کہ وہ اپنا "عمل" پوری کامیابی کے ساتھ اتمام تک پہنچا سکتا ہے،

ثانی ــــــ مریض کا اعتقاد کہ ساحر اس کے مرض کا بہترین علاج کر سکتا ہے، اس کی شخصیت اور صداقت پر کامل بھروسہ!

اگر مریض ضعیف الاعتقاد ہے، یا وہ ساحر کی شخصیت اور صداقت پر پورا بھروسہ نہیں رکھتا یا صحت کی طرف سے اپنی امید منقطع کر چکا ہے، تو پھر ساحر کو نمایاں کامیابی اپنے مقصد میں نہیں ہو سکتی،

جب ہم سحر کی مختلف صورتوں پر غور کرتے ہیں، اور اس کی علمی تحلیل کرتے

ہیں، تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سحر کی کامیابی کے لیے جہاں یہ ضروری ہے۔ کہ ساحر میں پورے طور پر خود اعتمادی ہو وہاں مریض کی جانب سے ساحر پر ایمان اور صدق اعتقاد بھی ضروری اور لابدی ہے،

امام رازیؒ کا نظریہ!

گزشتہ صفحات میں کہیں ہم راغب اصفہانی اور علامہ ابن خلدون کی رائے اس سلسلہ میں درج کر چکے ہیں۔ اب ہم علامہ فخرالدین رازی[1] رح صاحب تفسیر کبیر کی رائے بھی اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں:۔

"عرفِ شرع میں سحر کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے، جس کا سبب مخفی ہو، جو غیر حقیقی تخیل پر مبنی ہو اور حیلہ و مکر جس کی اساس اور بنیاد ہو، مذکورہ معنی کے پیش نظر، سحر کی آٹھ[2] صورتیں ہیں، جن کا علیحدہ علیحدہ ایک ایک کر کے ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ صورت مسئلہ کی وضاحت ہو جائے، اور کوئی مشکل باقی نہ رہے۔

سحر کی پہلی صورت!

(۱) "کلدانیوں کا سحر" ——— یہ لوگ ستارہ پرست تھے۔ یہ

---

[1] امام فخرالدین رازیؒ، ولادت ۲۵-رمضان ۵۴۴ھ۔ وفات شوال ۶۰۶ھ

[2] ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جزو اول، المسمی مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر عند تفسیر قولہ تعالیٰ۔ واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان ج ۱ ص ۴۲۹ وما بعد"!

لوگ ستاروں کی تاثیر پر غیر معمولی اعتقاد رکھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ اجرام علویہ پر خصوصاً اور اجرام سفلیہ پر عموماً اور انسان پر اور زیادہ مخصوص طور پر، ستارے اثر انداز ہوتے ہیں۔ غالباً اس عقیدہ کی بنیاد اجرام فلکی کی اثر انگیزی کے مشاہدہ کا نتیجہ تھی، یہ دیکھتے تھے کہ ستاروں کی تاثیر میں فوائد بھی شامل ہیں، اور نقصانات بھی موسموں کا اختلاف، درجۂ حرارت کا تغیر، مہینوں اور سنوں کا انتظام۔ یہ سب چیزیں انہی ستاروں کی گردش اور رفتار سے متاثر ہوتی ہیں۔

جس طرح مریض تاثیر کواکب کی قوت کے معتقد تھے، اسی طرح ساحر بھی تھے۔ یہ لوگ معالجہ میں ستاروں سے مدد طلب کرتے تھے اور کامیاب بھی ہوتے تھے، یہ تمام ساحر اور مریض اس بات پر ایمان صادق رکھتے تھے کہ یہ کواکب ساحر کی دعا قبول کرتے تھے، ہم جانتے ہیں کہ یہ دونوں ساحر اور مریض اس بات پر کامل اعتقاد رکھتے تھے کہ کواکب کے اثرات اٹل ہیں، یہ عقیدہ واقعہ کے مطابق تھا یا نہیں؟ اس سے بحث نہیں، جو بات اصل ہے وہ یہ کہ عقیدہ ایک نفسیاتی امر ہے، اور ذاتی بھی ہے، ہر شخص اسے جانتا اور دیکھتا ہے کہ وہم کا اثر سب سے زیادہ نفس ہی پر ہوتا ہے حالانکہ اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا، اور وہ بالکل واقعہ کے غیر مطابق ہوتا ہے، اسی طرح

استہوا (یعنی مائل کرنے والے) کا عمل، جو مستہوی (یعنی مائل ہونے والے) پر اثر انداز ہوتا ہے محض خیالی ہوتا ہے، حق اور حقیقت سے اسے کوئی تعلق اور رابطہ نہیں ہوتا۔
اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ ساحر محض ایک خادع اور مکار ہے اور مریض اس کے کلام سے دھوکا کھا جاتا ہے پھر بھی وہ اچھا کیوں ہو جاتا ہے، محض اس لیے کہ شفا کا عنصر فعال جو ہے وہ مریض کی نفسی کیفیت سے علاقہ رکھتا ہے، جب مریض کی نیت شفایابی کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے، اور اس کا نفس فکرِ صحت سے لبریز ہو جاتا ہے، اور ان افکار سے آزاد ہو جاتا ہے جو علالت اور بیماری سے متعلق ہوتے ہیں ــــــــ خواہ اس سلسلہ میں کوئی وسیلہ اور ذریعہ بھی اختیار کیا گیا ہو، بلکہ خواہ وہ طریق ایہام و فکر ہی کیوں نہ ہو ــــــــ تو مریض، مرض سے صحت کی طرف عود کرنے لگتا ہے، بیماری دور ہو جاتی ہے، اور صحت واپس آجاتی ہے"

سحر کی دوسری صورت

"نفس قوی رکھنے والے ان اصحاب کا سحر جو عناصر کو سبینہ پر تصرف کی قدرت اپنی ریاضت مستمرہ اور ترک لذات، اور ترک تعلقات انسانی کے باعث بہت زیادہ رکھتے ہیں ــــــــ!"
یہ صورت پہلی صورت سے قطعاً مختلف ہے، یہاں ساحر کو خود اعتمادی

سے کام لینا پڑتا ہے، اپنی قوت ارادہ کو ترقی دے کر اس سے مقصد حاصل کرنا پڑتا ہے، اس دوسری صورت میں ساحر کو سب سے زیادہ جس بات پر بھروسہ کرنا ہوتا ہے، وہ خود اپنا عمل ہے، کوئی خارجی قوت نہیں ہے، یہ صورت مسنوی یا منوم مقناطیسی (مسمرائسٹ) سے مشابہ ہے، جو وسیط کو اپنی قوت ارادی کا تابع بنا لیتا ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ طریق علاج بہت کامیاب اور مفید ثابت ہوا ہے، اور مریضوں نے بہت زیادہ تعداد میں اس سے شفا حاصل کی ہے۔

اس طریق کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ عامل کسی دوسری خارجی قوت پر تکیہ نہیں کرتا، بلکہ خود اپنی ذات پر بھروسہ کرتا ہے، اور اپنے ارادہ کو اتنا قوی بنا لیتا ہے کہ حالات اس کے موافق ہو جاتے ہیں اور وہ کامیابی حاصل کر لیتا ہے اس صورت میں مریض اس وقت صحت مند نہیں ہو سکتا۔ جب تک خود وہ بھی ساحر کی شخصیت سے متاثر نہ ہو، اور یہ یقین نہ کر لے کہ ساحر جو کچھ کر رہا ہے۔ کہہ رہا ہے وہ اس کے مزاج اور صحت میں حسب دل خواہ تبدیلی کر کے رہے گا،

بوعلی سینا کی رائے!

عناصر کو سبب پر اثر انداز ہونے والی قوت شخصیہ کو فلاسفہ کی اصطلاح میں اشراقی کہتے ہیں، جو جدید فلسفۂ افلاطونی سے بہت مشابہ ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ بوعلی سینا کی رائے بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے، جس کا اظہار انہوں نے اپنی مشہور اور مقبول عام کتاب "شفا" میں بالفاظ ذیل کیا ہے۔

"بعض ایسے نفوس ہوتے ہیں جو دوسرے آدمی کے جسم اور بدن پر اپنی نفسی قوت سے اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، نفس اگر قوی ہو، تو وہ دوسرے نفوس کو منفعل اور متاثر کر سکتا ہے ایسی صورت میں یہ نفس قوی، بیماروں کو تندرست کر سکتا ہے تندرستوں کو بیمار کر سکتا ہے۔ وہ غیر نار کو نار بنا سکتا ہے۔ غیر ارض کو ارض بنا کر دکھا سکتا ہے وہ بارش لا سکتا ہے، سر سبزہ پیدا کر سکتا ہے، وبا لا سکتا ہے، خزاں کی کیفیت پیدا کر سکتا ہے"!

شیخ بوعلی سینا کی اس رائے سے امور ذیل واضح ہوتے ہیں:-

(۱) وہم اور عقیدہ کی صحت اور مرض پر اثر اندازی۔

(۲) نفس قوی کا تسلط اور تصرف، دوسرے انسان کے بدن اور جسم پر

(۳) عناصر کا استحالہ، یعنی غیر نار کو نار بنا دینا،

(۴) نفس بشری کا عالم سفلی پر اثر انداز ہونا،

(۵) نفس کے اس درجہ تک پہنچنے کے لیے چند خاص شرائط:-

امام غزالیؒ کی رائے!

اس سلسلہ میں امام غزالیؒ کی رائے بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے وہ فرماتے ہیں "بعض نفوس بشری کا اثر دوسرے انسانوں کے اجسام اور ابدان پر بھی پڑتا ہے، یہاں تک کہ توہم سے روح فاسد ہو جاتی ہے، اور انسان ہلاک ہو جاتا ہے[1]"!

---

[1] مقاصد الفلاسفہ صفحہ ۳۱۶

پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ کلدان اور بابل کے لوگ مریضوں اور بیماروں کے علاج کے سلسلہ میں یہ دونوں صورتوں بیک وقت استعمال کرتے تھے، یعنی وہ ستاروں سے بھی امداد کے طالب ہوتے تھے، اور جن وشیاطین سے بھی،

سحر کی چوتھی صورت

"تخیلات، نظر بندی، اور فریب حواس سے کام لینا"!

یہی وہ چیز ہے، جسے اصطلاح میں شعبدہ اور کرشمہ بھی کہتے، اس کی نفسی بنیاد وہی وہم ہے یا پھر فریب ہوش وخرد، اور یہ چیز سائیکالوجی کے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ ایسا ہوتا ہے، ایسا ہو سکتا ہے، اس پر قدیم علمائے نفسیات بھی متفق ہیں، اور جدید بھی!

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہوش جب فریب کھا جاتا ہے تو وہ ایسی چیزیں محسوس کرنے لگتا ہے، جو واقعہ کے خلاف ہوتی ہیں، انسان ایسی صورتوں کا تصور کرنے لگتا ہے، جن کا اصل میں مطلق کوئی وجود نہیں ہوتا، وہ ایسے کام کرنے لگتا ہے جو تمام تر نفسی اور وہم کا نتیجہ ہوتے ہیں، وہ خالی کرسی پر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے، وہ خیالی حبیب سے معانقہ کرنے لگتا ہے۔ یہ تمام باتیں علم النفس کی کتابوں میں پوری شرح وتفصیل سے درج ہیں، جس شخص کو تفصیل مطلوب ہو اسے ان کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اسی لیے ہم اس بحث کو یہاں زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے۔

یہ ہے قدیم فلاسفہ کے افکار و آراء کا ———— نفوس بشری

کا "عناصرِ کون"، پر اثر اندازی کے سلسلہ میں ———— خلاصہ

نفسیات جدید

جدید علم نفسیات اگرچہ اپنے علمی اور تجربی طریق پر قدیم نفسی علم کی مکمل اور غیر مشروط تائید نہیں کرتا، لیکن وہ انکار بھی نہیں کرتا۔ جدید علم فراخ دل ہے وہ کسی چیز کے انکار میں جلد بازی سے کام نہیں لیتا، اسی طرح وہ کسی نظریہ کے قبول کرنے میں بھی جلد بازی سے کام نہیں لیتا، جب تک بحث و دلیل سے اس کا قائل نہ ہو جائے، اور تجربہ سے اس کی تائید و تصدیق نہ حاصل کرے اور عام "نظام کون"، اسے متفق نہ پالے۔

بہت سے ایسے امور میں جو پہلے سحر اور معجزہ سمجھے جاتے تھے، لیکن جدید علم نے ان کی ماہیت اور حقیقت منکشف کر کے نظریہ میں تبدیلی کر دی، اور اس کا شمار بدیہیات اور مسلمات میں ہونے لگا۔

سحر کی تیسری صورت

"اثر اندازی کے سلسلہ ارواح ارضیہ یعنی جن اور شیاطین سے استعانت ————!"

یہ صورت پہلی صورت سے مشابہ ہے، کواکب اور اجرام علویہ سے استعانت اور جن و شیاطین سے استعانت تقریباً یکساں صورتیں ہیں، چنانچہ یہ بات

سحر کی پانچویں صورت!

"اعمالِ عجیبہ کا اظہار، اُن آلات کی مدد سے جو خاص ہندسی ترکیب سے بنائے گئے ہیں۔ مثلاً دو ایسے بہادروں کے مجسمے جو حرکت کرتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں، لیکن ایک دوسرے پر حملہ آور نہیں ہوتے، یا ایسا سوار، جس کے ہاتھ میں جوق ہو، جو دن کی ہر ساعت کے بدلنے پر کسی کو چھوئے بغیر یا کسی سے مس ہوئے بغیر دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچاتی ہے"!

سحر کی چھٹی صورت!

"خواص ادویہ سے استعانت! جیسے کھانے میں بعض نشہ آور، یا کیف افزا چیزوں کا ملا دینا، مثلاً اگر گدھے کا دماغ کسی آدمی کو کھلا دیا جائے، تو اس کی عقل کند ہو جاتی ہے، اور وہ بے وقوفی کی باتیں کرنے لگتا ہے"!

یہ دونوں صورتیں قدما کے ہاں سحر میں شمار ہوتی تھیں، اس لیے کہ ان کی اصل اور ماہیت منکشف نہیں تھی بلکہ مخفی تھی، لیکن یہ چیزیں اب سحر میں شامل نہیں کی جا سکتیں، کیونکہ ان کا راز منکشف ہو چکا ہے، اور ان کا شمار بدیہیات اور مسلمات میں ہوتا ہے، اور آج ہر شخص ان کی حقیقت اور ماہیت جان چکا ہے، حتیٰ کہ اسکولوں اور کالجوں کے لڑکے بھی۔

سحر کی ساتویں صورت

"تعلیقِ قلب ـــــــ یعنی ساحر کا یہ دعوےٰ کہ وہ اسمِ اعظم جانتا ہے، یا یہ کہ جن اس کے مطیع ہیں، اور وہ ان سے جو کام چاہے لے سکتا ہے، اگر سامع ضعیف العقل اور قلیل التمیز ہوتا ہے تو وہ ساحر کا معتقد ہو جاتا ہے اور اسے ایک قسم کا تعلقِ قلب اس سے پیدا ہو جاتا ہے، اس کے دل میں ساحر کا رعب بیٹھ جاتا ہے اور وہ اس سے ڈرنے لگتا ہے۔ اور خوف کی یہ خاصیت ہے کہ وہ عقل کو ضعیف اور احساس کو کمزور کر دیتا ہے یہیں ساحر کی بن آتی ہے، وہ غالب آ جاتا ہے، اور جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔"!

یہ طریقہ دراصل وہی ہے جسے ایحا یا استھوا ـــــــ کہتے ہیں، جس کی بنیادی اور اساسی شرطیں دو ہیں!

(۱) مستھوی کی قوت اساسی (۲) مستھوی کا ضعف ارادہ،

یہی دونوں چیزیں مل کر ایک نئی صورت پیدا کرتی ہیں، بغیر ان کی ترکیب کے یہ ساتویں صورت بر سرِ عمل نہیں آسکتی!

سحر کی آٹھویں صورت

"لطیف اور سبک طور پر تقریب اور نمیمہ سے حصولِ مقصد کی کوشش"!

یہ صورت ایسا سے الگ ہے، کیونکہ تمام اپنی قوت بیان، فصاحت وبلاغت اور تزئینِ افکار سے کام لیتا ہے، وہ جو بات چاہتا ہے، مسحور کے قلب میں ڈال دیتا ہے، وہ اس کی بات ان لیتا ہے، اور اسے بالکل درست اور صحیح سمجھنے لگتا ہے، وہ اس کی باتوں کا اتنا گرویدہ اور فریفتہ ہو جاتا ہے کہ وہ نہ اس سے دلیل طلب کرتا ہے، نہ بحث کرتا ہے نہ کریدکرتا ہے نہ کسی عقلی توجیہہ کا طالب ہوتا ہے، اس طرح تمیمہ بھی استوا کی ایک صورت ہے جس کے اسلحہ بلاغت اور بیان ہیں، سچ فرمایا حضور رسالت مآبؐ نے۔

"اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا"

نفسیاتی علاج میں آج کل جو طریقے استعمال کیے جاتے ہیں، ان میں ایک طریقہ "تجدید تربیت" Re-Edueation بھی ہے جس کا اہم عنصر یہ ہے کہ مریض کو افکار صحیحہ کے راستہ پر لا ڈالا جائے، اور اس کے مرض کی تخفیف اچھی اچھی مرغوب اور دل پسند باتوں سے کی جائے، امام رازیؒ نے سحر کی جو آٹھ صورتیں بیان کی ہیں، ان میں سے آٹھویں صورت، اور "تجدید تربیت"، میں بہت زیادہ مشابہت اور مماثلت ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ کہ امراض کے علاج میں سحر کی تاثیر رہین منت ہے اُس اعتقاد اور ایمان کی جو خود مریض کے دل میں موجود ہوتا ہے۔

اسی طرح یہودیوں کا یہ عقیدہ کہ بیماری گناہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور توبہ سے

شفا حاصل ہوتی ہے، درحقیقت مریض کا نفسیاتی علاج ہے، مریض کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے کون سا گناہ کیا ہے، توبہ کر کے اس کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، اور وہ صحت کی طرف مائل ہو جاتا ہے، تو گویا یہودیوں کا طریق علاج بھی، تمام تر ایمان اور اعتقاد ہی سے تعلق رکھتا ہے، وہ اس سے الگ ہٹ کر کوئی جدید یا نئی چیز نہیں ہے!

عہدِ مسیحیت کی ابتدائی صدیوں میں نفسی علاج!

نبضِ مریض اور دستِ مسیحا

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا نشو و نما یہودیوں کے درمیان ہوا، ان کی تعلیم و تربیت بھی ایک یہودی گھرانے میں ہوئی، جب انہوں نے اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالی، تو اپنی قوم کو ضلالت اور گمراہی میں مبتلا پایا، یہ بھی محسوس کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قوم کو جو تعلیم دی تھی، اسے یہ فراموش کر چکی ہے، چنانچہ خدا کی طرف سے وہ اس کام پر مامور ہوئے کہ لوگوں کو رشد و ہدایت کی طرف بلائیں، خیر کی دعوت دیں، اور حق کی طرف متوجہ کریں، فقرا اور مساکین کی دستگیری کریں، ان کا پیام اتنا کھرا، دعوت اتنی سچی اور بات اتنی معقول تھی کہ ایک بہت بڑی جماعت ایمان لے آئی، ان میں پیش پیش آپ کے حواری تھے، اناجیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مریضوں کا ایسے رفق و التفات سے علاج کرتے تھے کہ وہ جسمانی اور عقلی صحت از سر نو معاً حاصل کر لیتے تھے، قرآن کریم میں بھی وارد ہوا ہے کہ آپ اللہ کے حکم سے برص زدہ

لوگوں کو چنگا، اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ یہی آپ کا معجزہ تھا، گویا اس بات کی دلیل کہ آپ کی رسالت واقعی خدا کی طرف سے ہے!

خوارقِ عادات

گزشتہ صفحات میں فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے ان اعمال غریبہ، یعنی خوارق عادت کا تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے، جن سے معلوم ہو چکا ہے کہ نفوس قویہ، عالم کون پر اثر انداز ہونے کی قدرت اور قوت رکھتے ہیں، اور روحانی قوت سے ایسی باتیں سرانجام پا سکتی ہیں جنہیں عرفِ عام میں خرقِ عادت کہا جاتا ہے۔

قوت نفس، اپنے پورے شرف اور علو منزلت کے ساتھ عیسیٰؑ ابن مریمؑ میں بدرجۂ اکمل موجود تھی، حضرت عیسیٰؑ کو اپنے نفس پر بھی کامل اعتماد تھا، اپنے رب کی تائید و اعانت پر بھی پورا بھروسہ تھا۔ لہذا علاج نفسی میں جتنی کامیابی انہیں ہو سکتی تھی کسی اور کو نہیں ہو سکتی تھی، نہ ہوئی۔

انجیل کی آیت!

اس جگہ نامناسب نہ ہوگا، اگر ہم انجیل مرقس کی کچھ آیتیں پیش کریں جن میں حضرت مسیحؑ کے ہاتھوں مریضوں کی شفایابی کا تذکرہ ہے، چنانچہ مرقس میں وارد ہوا ہے:۔

"کفارِ ناحوم آئے، سب لوگ مجمع[1] میں موجود تھے، یہاں مسیحؑ نے

---

[1] مجمع — کنیسۂ یہود

اپنی تعلیم پیش کی، لوگ یہ باتیں سنکر حیران رہ گئے، مجمع میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کے اندر پلید روح حلول کئے ہوئے تھی. وہ رُوح چیخنے لگی، آہ، اے یسوعؑ ناصری اب میرا اور تیرا کیا حال ہوگا، تو یہاں اس لیے آیا ہے کہ ہمیں ہلاک کردے، یسوعؑ نے یہ باتیں سن کر اسے جھڑک دیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ روح اور زیادہ زور سے چیخی، اور لوٹ پوٹ کر نکل گئی[1]

پھر جب شام کا وقت ہوا، سورج ڈوب گیا، تو تمام بیمار، اور مجنوں آپ کے پاس آئے، شہر کے تمام لوگ یہ منظر دیکھنے کے لئے جمع تھے، آپؑ نے بہت سے مریضوں کو آن کی آن میں بھلا چنگا کردیا، جو مختلف امراض میں مبتلا تھے، اور جو پلید روحیں ان کے اجسام میں سمائی ہوئی تھیں وہ نکل گئیں۔ اور ان روحوں کی آپ سے کلام کرنے کی ہمت نہیں پڑی کیونکہ وہ آپ کو پہچانتی تھیں![2]" لوقا کی انجیل میں بھی یہ واقعہ مرقوم ہے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ!

اب اس سلسلہ میں ہم دو واقعے اور درج کرتے ہیں،

انجیل متی کا بیان!

متی نے اپنی انجیل میں کہا ہے۔

یہود کا عقیدہ

[1] اس زمانہ میں یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ پلید روحیں لوگوں کے جسم میں حلول کر جاتی ہیں،

[2] انجیل مرقس

"اس اثنا میں کہ حضرت مسیحؑ باتیں کر رہے تھے، ایک دولت مند شخص آیا، آتے ہی سجدہ میں گر پڑا، اور کہنے لگا ابھی میری لڑکی مرگئی، چلیے میرے ساتھ تشریف لے چلیئے، اس کے مردہ جسم پر اپنا ہاتھ رکھ دیجیے، تاکہ وہ زندہ ہو جائے!" حضرت مسیحؑ یہ سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ چلے گئے، آپ کے ساتھ آپ کے کچھ تلامیذ بھی تھے، حضرت مسیحؑ اس امیر کی لڑکی کی لاش کی طرف متوجہ ہوئے، اسے دیکھا اور فرمایا، اے بیٹی! تیرے ایمان نے تجھے شفا بخش دی، اٹھ کھڑی ہو، چنانچہ اسی وقت وہ تندرست ہو کر اٹھ بیٹھی"[۱]

ایک دوسرے موقع پر متی نے اپنی انجیل میں یوں کہا ہے:۔

"اس اثنا میں کہ حضرت مسیحؑ قطع مسافت کر رہے تھے، دو اندھوں نے آپ کا پیچھا کیا، وہ چیخ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے ابن داؤدؑ ہم پر رحم کر! جب آپ گھر پہنچے، تو وہ دونوں اندھے بھی آموجود ہوئے، ان دونوں سے حضرت یسوعؑ نے کہا، کیا تم اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ میں تمہیں اچھا اور تندرست کر دینے کی قدرت رکھتا ہوں؟" ان دونوں نے جواب دیا: "ہاں اے ہمارے آقا!" پھر حضرت مسیحؑ نے ان کی آنکھوں پہ یہ کہتے ہوئے اپنا دست مبارک پھیرا، : "تمہارا ایمان تمہیں چنگا کر دینے کے لیے کافی ہے!"

---

[۱] انجیل متی، ۹ / ۱۸ و ما بعد)

اور ان دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ دیکھنے لگے۔[1]

اناجیل میں حضرت مسیحؑ کے شفا بخشی کے جتنے واقعات مرقوم ہیں، وہ سب ہمارے اس قول کے شاہد ہیں کہ آپ بھی ایک قسم کا نفسی علاج کرتے تھے، جس کی بنیاد، خود اعتمادی اور تائید ربانی پر تھی، اور دوسری طرف مریضوں کے اعتقاد اور ایمان پر،

ایک شبہ کا ازالہ

اس موقع پر کہنے والا کہہ سکتا ہے۔

"اگر حضرت مسیحؑ کا طرز علاج، ایک قسم کا نفسی علاج تھا تو پھر یہ معجزہ کیونکر ہوا"؟

میں اس کا جواب یہ دوں گا۔

معجزہ کی تعریف یہی تو ہے کہ وہ خرق عادت ہے؛ عام طور پر، جو باتیں رونما ہوتی رہتی ہیں،، ان سے الگ ہٹ کر ایک ایسے واقعہ کا صدور جو قطعاً ناممکن اور محال سمجھا جاتا رہا ہو، اور یہ معجزہ یا خرق عادت اللہ تعالےٰ ایسے مدعی رسالت کے ہاتھ پر دکھاتا ہے جو واقعی مامور من اللہ ہو، تاکہ قوم حیرت اور تعجب سے اس کے ان کارناموں کو دیکھے اور اس کی باتوں کو من جانب اللہ سمجھے۔ یہ توضیح حضرت مسیحؑ کے معجزات، اور خوارق عادات پر بالکل پوری اترتی ہے، ان اعمال کا حضرت مسیحؑ سے صدور ان کی قوت نفسی، اس کے

---

[1] انجیل متی، ۹ (۱۷ وما بعد)

شرف اور بلندی کا زبردست جز ہے، اور یہ چیز صرف انہی لوگوں کو مل سکتی ہے، جو خدا کے برگزیدہ اور مخلص بندے ہوں، حضرت مسیح اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندے تھے، وہ اپنے نفس کی قوت اور تائید غیبی پر پورا بھروسہ رکھتے تھے، اسی طرح جو مریض آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے وہ بھی آپ پر ایمان رکھتے تھے، اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ نبضِ مریض دستِ مسیحا میں پہنچی اور تندرستی واپس آئی، اور نفسی علاج کی یہی دو بنیادیں ہیں۔

(۱) مریض کا ایمان

(۲) معالج کا قوت نفس،

بعد از مسیحؑ

حضرت مسیحؑ جب رفیق اعلیٰ سے جا ملے، تو آپ کے حواریوں نے اور اُن لوگوں نے جو آپ سے شرف قُربت رکھتے تھے، آپ کی رسالت کا پیغام پھیلانا شروع کیا۔ لوگوں میں آپ کی تعلیمات کا چرچا کرنے لگے، اور مریضوں کا علاج بھی شروع کر دیا۔

لوقا کا قول!

چنانچہ لوقا کا قول ہے۔

"حضرت مسیحؑ نے اپنے بارہ شاگردوں کو بلایا، اور انہیں وہ قوت عطا فرمائی کہ وہ تمام شیاطین پر غالب آ سکیں، اور ہر مرض کو شفا دے سکیں[1]!"

اس سے بحث نہیں کہ یہاں آیا شیاطین سے مراد وہ لوگ ہیں، جو حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور مریض سے وہ لوگ، جو ضعیف عقیدہ کے ہیں، یا پھر شیاطین سے مراد جن اور شیطان اور پلید ارواح جو اُس وقت کے عقائد کے لحاظ سے لوگوں کے اجسام میں حلول کر سکتی تھیں، اور مرگی، اور پاگل پن کا سبب بن جاتی

---

[1] لوقا ۹ (۱۲)

نہیں، اور مریض سے وہ لوگ جو واقعی کسی جسمانی، یا عقلی روگ میں مبتلا تھے یعنی ان الفاظ کا مفہوم حقیقی ہو یا مجازی، لیکن اس پر بہر حال سب کا اتفاق ہے کہ مریضوں اور اجسام وعقول کے علاج میں جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا، وہ نفسی اور روحانی تھا!

پطرس کا علاج!

حضرت مسیحؑ کے مشہور حواری پطرس کے بارے میں مرقوم ہے کہ:

"پطرس کے پاس علاج کے لیے ایک لنگڑا شخص آیا، پطرس نے اس پر ایک نظر ڈالی اور کہا! "یسوع مسیحؑ ناصری کے نام کی برکت سے اٹھ کھڑا ہو اور چلنے لگ،!" پھر اپنے داہنے ہاتھ سے اسے مضبوط پکڑ لیا اور کھڑا کر دیا، وہ شخص ذرا لڑکھڑایا، پھر کھڑا ہوا، اچکا اور چلنے پھرنے لگا!"[1]

پطرس ہی کا ایک اور علاج اس طرح مرقوم ہے۔

"پطرس قطع مسافت کر رہا تھا، وہ ان مقدس پیروان مسیحؑ کے پاس پہنچا جو لاہ میں مقیم تھے، یہاں اسے ایک آدمی نظر آیا جس کا نام اینیاس تھا، یہ چارپائی پر پڑا ہوا تھا، اور آٹھ سال سے بیماری کی کڑیاں جھیل رہا تھا، اس پر فالج کا اثر تھا، پطرس نے اس سے کہا: اے اینیاس مسیح نے تجھے اچھا کر دیا، کھڑا ہو جا اور تندرست

---

[1] اعمال الرسل ۳: ۱۲

کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور حضرت مسیحؑ کے علاج کو معجزہ کہا جاتا ہے اور عہد قدیم کے اس طرز علاج کو سحر کے نام سے منسوب کرتے تھے!

قرون وسطی میں "کرامت" کا علاج بہت زیادہ چل نکلا تھا، لیکن اس سلسلہ میں بہر حال یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اصطلاح کچھ بھی ہو مگر اور مختلف مذاہب اور مسلکوں کے مابین تعبیر میں کتنے ہی اختلافات ہوں۔ طریق علاج بہر حال ایک ہی تھا، اور وہ تھا، روحانی یا نفسی، اور اس کی بنیاد بھی دو چیزوں پر قائم تھی، یعنی ایمان اور عقیدہ پر!

نئی تحقیق

ڈاکٹر Plerre Janet کی رائے ہے کہ وہ طریق علاج جو "کرامت" سے موسوم ہے، سینٹ میڈرڈ S T. MeBard کے مقبرہ پر ۱۷۳۰ء کے احوال میں بہت جاری تھی، یہ مقبرہ فرانس میں واقع ہے۔

پرسیول لاول Persival Lowell نے اپنی کتاب میں جو ۱۸۹۴ء میں شائع ہوئی، لکھا ہے کہ

"جاپان کے لوگ علاج امراض میں وہی طریقے استعمال کرتے ہیں جو قدیم مصر اور یونان کے طرز علاج سے بہت مشابہت رکھتے ہیں"!

خلاصۂ کلام یہ کہ شعور انسانی کے ہر دور میں نفسی علاج بہت کامیابی کے ساتھ برتا جایا کرتا تھا، اور اس کی کامیابی عوام کی خوش عقیدگی نے بہت زیادہ بڑھا دی تھی، نفسی علاج میں سب سے اہم اور قابل ذکر بات یہ تھی کہ یہ

ہو جا، لاہ کے سب لوگوں نے دیکھا کہ وہ اسی وقت اٹھ کھڑا
ہوا، اور چنگا ہو گیا[ا]۔''

اسی طرح ایک اور واقعہ حنانیا کا مشہور ہے، حنانیا حضرت مسیحؑ کا شاگرد تھا، وہ ایک مرتبہ ایک ایسے گھر میں پہنچا جس میں شارل نام کا ایک شخص رہتا تھا یہ اندھا ہو چکا تھا۔

''حنانیا نے شارل پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اس سے کچھ باتیں کیں، کچھ دیر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بند کیں، اور پھر فوراً ہی اس کی بصارت عود کر آئی، اور وہ دیکھنے لگا[۲]۔''

کچھ اور معالجے

یہ روحانی طریق علاج صرف حضرت مسیحؑ کے حواریوں تک ہی موقوف اور محدود نہیں تھا، چنانچہ روایت ہے کہ مقدس مارٹن نے جو چوتھی صدی عیسوی کے آخری اور ایک اہم شخص تھے، دو بچوں کا روحانی قوت سے علاج کیا۔ ان میں سے ایک مفلوج تھا۔ اور دوسرا گونگا تھا، مارٹن نے دونوں کے منہ میں زیتون کا تیل ٹپکایا اور وہ دونوں اچھے ہو گئے۔

سحر، معجزہ اور کرامت!

حواریوں اور دوسرے پیروان مسیحؑ کے ایسے علاج کو اصطلاح میں کرامت''

[ا] اعمال الرسل ۹ (۳۳-۳۴)　[۲] اعمال الرسل ۹ (۱۰-۱۹)

ایسا طرزِ علاج تھا، جو مریض کو خود صحت کی طرف مائل کر دیتا تھا۔ اور معالج محض اپنے نفس، عزم اور ارادہ کی قوت سے اسے تندرست کرنے میں آسانی کے ساتھ کامیاب ہو جاتا کرتا تھا۔ یہ طریقہ جس طرح عہد مسیحؑ سے پہلے رائج تھا اس طرح ظہور مسیحؑ کے وقت اور ظہور مسیحؑ کے بعد بھی جاری رہا۔ اور کامیابی کے ساتھ جاری رہا ۞

نفسی علاج

عرب کے دور جاہلیت اور آغاز اسلام میں!

اسلام کے ظہور سے پیشتر جزیرۂ عرب دو عظیم وجلیل شہنشاہیتوں کے مابین گھرا ہوا تھا۔

(۱) ایک تو رومی شہنشاہیت تھی، یہ عرب کے شمال و مغرب میں تھی، اس کے حلقۂ اثر و نفوذ میں شام، فلسطین اور مصر تھے،

(۲) دوسری ایرانی شہنشاہیت تھی، یہ جزیرۂ عرب پر شمال، مشرق اور جنوب کی طرف سے حاوی تھی، بلاد یمن پر اس کی سیادت وریاست کا پرچم لہرا رہا تھا۔

ایران اور روم!

یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ طب کی دراست وممارست ان دونوں سلطنتوں میں موجود تھی، روم کو طب کی دستگاہ، یونان سے وراثت میں ملی تھی، یونان کے اطباء اور حکماء کے فنون اور طبی مہارت سے اور تجارب سے اس نے کافی فائدہ اٹھایا تھا۔

تاریخ میں یہ بات مذکور ہے کہ شہنشاہ جسٹینان نے جب فلاسفر پر
دست ظلم دراز کیا، تو بعض لوگ وہاں سے فرار ہو کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے
یہ واقعہ چھٹی صدی عیسوی کا ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان ترکِ وطن کرنے
والے فلاسفہ کی ایک جماعت فارس کی طرف چلی گئی۔ کسریٰ نے ان کا خیر مقدم
کیا، اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آیا، چنانچہ ایران میں فلسفہ اور
طب کا رواج انہی تارکانِ وطن فلاسفہ کے واسطہ سے ہوا ورنہ وہاں طب اور
فلسفہ کا کوئی چرچا نہ تھا، ان لوگوں نے ایران میں متعدد بیمارستان بھی قائم
کئے، جن میں بیمار اور مریض آکر مقیم ہوا کرتے تھے، یہاں ان لوگوں کا علاج
بڑی توجہ اور محنت سے کیا جاتا تھا۔ اور اس کے حسب دل خواہ نتائج مرتب
ہوتے تھے۔

ان دونوں مملکتوں (روم اور فارس) کے اثرات سے جزیرہ عرب کیونکر
محفوظ رہ سکتا تھا، چنانچہ وہاں بھی طب کی کارفرمائی شروع ہو گئی، علاج
معالجہ اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہو گیا، حیرہ، یمن اور شام میں خاص طور
پر طب کو روز افزوں فروغ ہونے لگا، اس لئے کہ ایرانی اور رومی شہنشاہیت
سے یہ مقامات براہِ راست متاثر تھے۔

عرب طبیب!

اس بات کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے تمام روایات اس پر
متفق ہیں کہ اسلام سے پیشتر عرب میں طبیب[1] موجود تھے اور طب کا رواج شروع
(حواشی ص۲۲۲)

ہو چکا تھا، ان لوگوں میں حارث بن کلاہ خاص طور پر مشہور ہے یہ شہنشاہ نوشیروان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نوشیرواں نے اس سے متعدد طبی سوالات کیے جن کا اس نے بہت کافی اور شافی جواب دیا، جس سے وہ بہت خوش ہوا اور اس نے برسر دربار اس کی حاضر جوابی، قابلیت اور حسن بیان کا اعتراف کیا

حارث کے علاوہ ابن خذیم بھی بہت مشہور ہے یہ بھی اپنے فن میں کامل تھا، اور اگرچہ وہ کے علاج میں اسے خاص طور پر مہارت تھی، چنانچہ اس کے نام نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ اگر عرب میں کسی طبیب کی بہت زیادہ تعریف کرنی مقصود ہوتی تھی تو کہتے تھے یہ تو خذیم سے بھی بڑھا ہوا ہے اطب من حذیم !!

نضر بن حارث

اطباء عرب میں نضر بن حارث بن کلاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاصر تھا۔ یہ رسالت مآب کا رشتہ دار بھی تھا، اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اپنے باپ کی طرح یہ بھی دور دراز کے سفر کیا کرتا تھا، اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں آجایا کرتا تھا، تاکہ علاج معالجہ کا سلسلہ جاری رکھے یہ زیادہ تر افاضل اور علما کی صحبت میں رہتا تھا، اور احبار اور کاہنوں کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا علوم قدیمہ پر اسے کافی دسترس تھی، اور اپنے فن میں یہ مانا ہوا شخص تھا، لیکن

حواشی صفحہ ۷۷) ملاحظہ ہو عیون الانبا فی طبقات الاطبا لابن ابی اصیبعہ ج ۱ ص ۱۰۹ و ما بعد نیز دوسری کتاب، بلوغ الارب، فی معرفۃ احوال العرب للالوسی، ج ۳، ص ۳۲۸ و ما بعد

آنحضرتؐ سے بہت بغض رکھتا تھا۔ حالانکہ آپ کا قرابت دار تھا، جنگِ بدر میں نضر نے مشرکین مکہ کی کافی مدد کی، مسلمانوں نے جن لوگوں کو گرفتار کیا۔ ان میں یہ بھی تھا، اس کی شیطانی حرکتوں اور ناقابل معافی جرائم کی بنا پر بارگاہ رسالتؐ سے اس کے قتل کا حکم صادر ہوا۔

طرزِ علاج!

اس وقت تک جو واقعات وکوائف ہمارے سامنے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ طبیب امراض جسمانی کا علاج وسائل مادیہ سے کیا کرتے تھے اور اس طرزِ علاج میں انہوں نے کافی شہرت اور نیک نامی حاصل کر لی تھی ان کا تجربہ بہت وسیع ہو گیا تھا، اور اسی کی بنیاد پر بالعموم یہ جس مریض پہ ہاتھ ڈال لیتے تھے اس میں کامیابی حاصل کرتے تھے، اور بہت تھوڑے وقفہ میں وہ بھلا چنگا ہو جاتا تھا۔

کوئی تاریخی ثبوت میرے سامنے ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر یہ معلوم ہو سکے یہ لوگ نفسی علاج بھی کرتے تھے، اس وقت تک جو تاریخی معلومات سامنے ہیں، ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نفسی علاج ان اطبا کے حدود سے خارج تھا۔

عرب کے کاہن!

جزیرۂ عرب میں طبیبوں کے علاوہ ایک بڑا طبقہ کاہنوں کا بھی تھا، یہ لوگ علم غیب کے مدعی تھے، ان کاہنوں کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ جن اور شیاطین

ان کے تابع فرمان ہیں اور یہ ان سے جو کام چاہیں لے سکتے ہیں، غیب کی خبریں انہی شیاطین اور جنوں سے انہیں حاصل ہوتی ہیں، کیونکہ یہ آسمان ہی کو اپنا مسکن بنائے ہوئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ کاہن امراض عقلی و جسمانی کا علاج کسی حد تک یا بڑی حد تک نفسی طور پر کرتے ہوں، اس لیے کہ بہرحال ان میں قوۃ نفوذ تھی، اور یہ نفوس انسانی پر اثر انداز ہونے کی استعداد اور صلاحیت رکھتے تھے،

بہرحال سچی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں ہے جس سے ہم یہ رائے قائم کر سکیں کہ یہ کاہن اور طبیب نفسی علاج پر بھی قدرت رکھتے تھے، اگرچہ یہ عدم ثبوت ضروری نہیں قرار دیتا کہ ہم اس کی بنیاد پر اس سے انکار بھی کر دیں، کسی چیز کا معلوم نہ ہونا اور چیز ہے، اور کسی بات کا واقع نہ ہونا دوسری چیز، ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اپنے طریقہ پر نفسی علاج کرتے ہوں، لیکن اس سلسلہ میں کوئی تاریخی مواد ہمارے سامنے نہیں ہے

اس اعتراف کے باوجود کہ ہمارے پاس عرب کاہنوں اور طبیبوں کی نفسی علاج میں مہارت اور استعداد کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ پھر بھی تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عرب جاہلی (یعنی دور قبل از اسلام) طب کو ایک مستند اور منظم فن کی طرح استعمال کرتے تھے[1] یہ لوگ جڑی بوٹی، پتھر اور مختلف دوائیں اغراض مختلفہ کے لیے استعمال کراتے تھے اور یہ اغراض مختلفہ یہ تھے۔

(۱) آلام و امراض سے نجات (۲) دشمن یا حاکم کا سامنے کرتے وقت خود اعتمادی

---

[1] ملاحظہ ہو، بلوغ الارب، ج ۳ ص ۵۔

کسی درجہ میں وہ کامیاب بھی ہوتے تھے۔

اسلام کا دور

پھر جب اسلام نمودار ہوا۔ تو اس نے ان اعتقادات کا یکسر انکار کر دیا بلکہ ان کا ماننا شرک قرار دیا، اس لیے کہ اسلام تاثیر اور تاثر میں خدا کے سوا کسی اور کو شریک ماننے اور شریک کرنے کا قائل ہی نہیں تھا، لیکن وہ لوگ جو اسلام سے دور تھے، یا اسلام کے منکر تھے، وہ ان خرافات اور توہمات کو مانتے رہے، اور کاہن جب تک ان کا بس چل سکا، ارواح شیاطین اور اپنے علم غیب سے لوگوں کا علاج کرتے رہے

نفسی نقطۂ نظر!

اگر ہم ان عادات پر نفسی نقطۂ نظر سے غور کریں، اور تھوڑی دیر کے لیے اسے فراموش کر دیں کہ شرع اسلام کا اس باب میں کیا حکم اور فتویٰ ہے۔ تو ہمیں اس میں کوئی تعجب اور حیرت کی بات نظر نہیں آتی جب ہم سنتے ہیں کہ ان عقائد سے متوقع فائدے بھی حاصل ہوتے تھے، اس لیے کہ اس فائدہ کی تہ میں جو بات کارفرما ہے، وہ وہی ہے، جسے ہم مریض کے اعتقاد کے سلسلہ میں بہ وضاحت متعدد مواقع پر بیان کر چکے ہیں۔ اس اعتقاد کو علمائے نفسی "ایماء ذاتی"، کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور نفسیات کی رو سے اس کے فوائد اور تاثیر کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ یہ چیز اب بدیہیات

(۳) لوگوں میں محبوب بننا (۴) آفات عامہ سے تحفظ
(۵) نظر لگنے سے محفوظ رہنا۔

عربوں کے اوہام

عربوں میں بعض مختلف قسم کے اوہام بھی یقین کے درجہ میں رائج تھے مثلاً
(۱) اگر کسی کا پاؤں سن ہو جائے تو جس آدمی سے وہ محبت کرتا ہو اسے یاد کرے، یا بلائے تو ٹھیک ہو جاتا ہے۔
(۲) اگر کسی کی آنکھ پھڑپھڑا رہی ہو، تو وہ جس سے محبت کرتا ہے اس کے بارے میں کہے: "میں تجھے دیکھ رہا ہوں"۔ اگر وہ غیر حاضر ہے تو آجائے گا کہیں دور ہے تو قریب ہو جائے گا۔
(۳) جس آدمی کے بارے میں پاگل پن کا شبہ ہوتا تھا، یا پلید روح کے حلول کا اندیشہ ہوتا تھا تو اس کے گلے میں مردے کی ہڈی لٹکا دیتے تھے۔
(۴) کتے کے کاٹے کا علاج یہ تھا کہ کسی امیر کا کچھ خون استعمال کرا دیا جائے۔

غرض یہ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے خرافات اور اوہام عربوں میں رائج تھے، اول تو ان کی دراصل کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں تھی لیکن اگر کاہنوں نے انہیں کچھ درجہ دے دیا تھا تو اس کا مقصد یہی تھا کہ اپنے اعتماد نفس اور مریض یا حاجت مند کے اعتقاد سے کام لے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی کوشش کریں، اور کوئی شبہ نہیں کسی نہ

اور دوسرے گروہ کے لوگ اس سے محروم ہوتے تھے، اس سربلندی اور محرومی کا نفسی نتیجہ، سکون و اطمینان یا بے اطمینانی اور پریشانی، اور پریشانی کی صورت میں نکلنا لازمی تھا، چنانچہ وہ اس صورت میں نمایاں ہوتا تھا، آفات سے بچانے میں اور بلاؤں سے محفوظ رہنے میں ان چیزوں کا اثر صرف روحانی طور پر ہی ہوتا ہے، اور یہ اثر اور علاج مادی وسائل سے یکسر مستغنی ہوتا ہے۔ امراض اور آفات سے تحفظ میں آپ خود غور کر لیجیے کہ ان طریقوں کا کوئی مادی وسیلہ نہیں ہے مثلاً پاؤں کے سن ہونے اور ذکر حبیب میں کیا علاقہ ہے؟ آنکھ کے پھڑپھڑاتے اور کسی کو یاد کرنے میں کیا ربط ہے؟ اسی پر اس طرح دوسری مثالوں کو بھی قیاس کر لیجیے۔

مادّہ اور روح!

ظاہر ہے، مذکورہ صورتوں میں کامیابی جو کچھ اور جہاں بھی نظر آتی ہے، جب وہ مادی وسائل کی مرہونِ منت نہیں ہے، تو کھلی ہوئی بات ہے، اسے روحانی اور نفسی ہی اصول پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ پیشتر ذکر آچکا ہے۔

ہیں شامل ہو چکی ہے۔

اب رہا دوسری چیزوں کے استعمال کا سوال، جو آدمی اپنے پاس کوئی تعویذ رکھتا ہے، یا کوئی پڑھی ہوئی یا پھونکی ہوئی چیز رکھتا ہے، یا مُردے کی ہڈیاں رکھتا ہے، یا اور اسی طرح کی چیزیں رکھتا ہے۔ اس کا شعور اسے بار بار یہ بات یاد دلاتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہا ہے، یا مقصد سے قریب تر پہنچ رہا ہے، اور یہ نفسی اعتماد بہت زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص ہے جس کی جیب روپے سے بھری ہوئی ہے، وہ سڑک پر جب چلتا ہے، تو کتنا مسرور اور مطمئن نظر آتا ہے؛ اس کی چال ڈھال، وضع قطع، رفتار گفتار ہر بات میں ہر چیز میں ایک خاص قسم کا ترفع، ایک خاص قسم کی منزلت اور ایک مخصوص طرح کا احساس برتری پایا جاتا ہے اس کے برعکس ایک دوسرا شخص ہے جس کی جیب بالکل خالی ہے، جس کے پاس کچھ نہیں ہے، وہ جب سڑک پر نکلتا ہے تو اس کے چہرے پر افسردگی اور اضمحلال کی کارفرمائی نظر آتی ہے، مسرت اس سے دور ہوتی ہے، اطمینان کا اس کے پاس گزر بھی نہیں ہوتا، ان دونوں آدمیوں کی حالت میں یہ عظیم اور بین فرق کیوں ہے؛ اس کی نفسی تحلیل جو کچھ کی جا سکتی ہے وہ یہ کہ پہلے شخص کے پاس دولت ہے، اس لیے اسے اپنے اوپر اعتماد ہے۔ دوسرا غریب ہے اس لیے اس سے محروم ہے یہی صورت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو اپنے پاس تعویذ یا نقش وغیرہ کی صورت میں کوئی چیز رکھتے تھے، اور وہ جو نہیں رکھتے تھے۔ پہلے گروہ کے لوگ نفس کے اعتماد کی دولت سے مالا مال ہوتے تھے

علاج بالقرآن

عرب کے دور جاہلیت میں طب کی جو صورت تھی اس کا مختصر سا نقشہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے، پھر جب اسلام آیا تو اس نے ان عقائد اور توہمات کا صاف انکار کر دیا جو عام طور پر عرب میں رائج تھے، لیکن اس نفی کا ایک اثباتی پہلو بھی تھا، یعنی اسلام نے اگرچہ گزشتہ چیزوں کا انکار کیا، لیکن ان کے بدلہ میں ایک بہت اہم چیز بھی یعنی قرآن مجید سے شفا طلبی!

قول باری تعالیٰ!

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا"[1]

بعض مفسرین[2] کی رائے ہے کہ "شفا" سے جو امراض مراد ہیں، وہ قرآنی آیات کی رو سے چھ امراض ہیں، اور وہ یہ ہیں۔

---

[1] سورہ اسرا آیت ۸۲

[2] ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی للآلوسی، ج ۱۵ ص ۵۸۵، مطبوعہ مصر،

(۱) وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ، [۱]

(۲) لِشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ، [۲]

(۳) فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ، [۳]

(۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ [۴]

(۵) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ [۵]

(۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَاءٌ [۶]

علاج بالقرآن کے سلسلہ میں اب ہم چند مفسرین کی رائیں پیش کرتے ہیں

سبکی کا بیان!

علامہ سبکی کا بیان ہے، " ان آیتوں کی شفا بخشی کا مجھے بہت وسیع تجربہ ہے"، علامہ قشیری فرماتے ہیں: "میرا لڑکا اتنا بیمار ہوا کہ زندگی سے مایوس ہو گیا، انہوں نے خواب میں ذات باری تعالیٰ کو دیکھا اور اللہ سے اس کے مرض کی فریاد کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آیات شفا جمع کر لو اور انہیں پڑھ کر اس پر پھونکا کرو، یا ایک برتن میں انہیں لکھ لو اور گھول کر پلایا کرو"، انہوں نے ایسا ہی کیا، اور اللہ نے اسے شفا بخشی"!

اسی طرح ابن سیرین اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اگر قرآن میں سے کوئی

---

[۱] سورۂ توبہ، آیت ۱۵ — [۲] سورۂ یونس، آیت ۵۷

[۳] سورۂ نحل، آیت ۶۹ — [۴] سورہ اسریٰ، آیت ۸۲

[۵] سورۂ الشعرا، آیت ۸۰ — (۶) سورۂ الشعرا، آیت ۸۰

چھوٹا یا بڑا ٹکڑا لکھ کر لٹکا لیا جائے۔

مفسرین کے ایک اور گروہ کی رائے ہے کہ سابقہ آیۂ کریمہ میں "مِنْ" کا لفظ "تبعیض" کے لیے نہیں آیا ہے، بلکہ جنس کے لیے آیا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے "فاجتنبوا الرجس من الاوثان"[1] ان مفسرین میں امام فخر الدین رازی بھی شامل ہیں"۔

امام رازیؒ کی رائے!

اس سلسلہ میں امام فخر الدین رازی کی رائے خاص طور پر بہت اہمیت رکھتی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیئے، قرآن جس طرح امراض روحانی کے لئے شفا ہے۔ اسی طرح امراض جسمانی کے لیے بھی شفا ہے، جہاں تک اس کے امراض روحانیہ سے شفا ہونے کا تعلق ہے وہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ امراض روحانیہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اعتقادات باطلہ، (۲) اخلاق مذمومہ

اعتقادات باطلہ، اعتقادات فاسدہ سے زیادہ نقصان رساں ہیں، الہیات، نبوات، معاد، قضا، قدر ان تمام معاملات و مسائل میں، قرآن میں وہ دلائل موجود ہیں جو حق کی تائید کرتے ہیں اور باطل کا رد کرتے ہیں نیز مذاہب باطلہ کا ابطال بھی کرتے ہیں

---

[1] سورہ الحج آیت ۳۰،

اب اخلاق مذمومہ کی باری آتی ہے، قرآن میں ان کی تفصیل مذکور ہے
اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کے مفاسد کیا ہیں؛ نیز اعمال
محمودہ، اور اخلاق فاضلہ کی طرف رہنمائی بھی کی گئی ہے، یہ اس بات
کا ثبوت ہے کہ قرآن پاک تمام امراض روحیہ کی شفا ہے[۱]"

امراضِ جسمانیہ

آگے چل کر امام صاحب نے امراض جسمانیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
"اب قرآن کی یہ حیثیت کہ وہ امراض جسمانیہ کے لیے بھی شفا ہے
زیر بحث آتی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن شریف کا تبرک
کے طور پر حرف حرف پڑھ لینا بہت سے امراض کو رفع کر دیتا ہے جبکہ
جمہور فلاسفہ اس پر تقریباً متفق الرائے ہیں اور اصحاب طلسمات
بھی اس کے مؤید ہیں کہ منتروں کا پڑھنا اور چند بے معنی لیکن
مخصوص الفاظ کا استعمال کرنا جن سے کوئی بات مفہوم نہیں ہوتی
تحصیل منافع اور دفع مفاسد میں غیر معمولی طور پر فائدہ بخش اور
نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے، پھر قرآن عظیم کی قرأت، جس میں اللہ
کے جلال اور کبریائی کا ذکر ہے، ملائکہ مقربین کا ذکر ہے شیاطین
کا رد ہے کیونکر دین اور دنیا میں حصول نفع کا سبب نہیں ہوگا؛
چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے من لم یستشف

---

[۱] مفاتیح الغیب ج ۵ ص ۴۳۳

اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ظالمین کے حق میں یکسر خسارہ وضلال ہے۔ ظالمین سے مراد یہاں مشرکین ہیں، اس لئے کہ قرآن کے سننے سے ان کا غیظ وغضب، حقد وحسد بڑھتا ہے، اور یہ وہ اخلاق ذمیمہ ہیں جو اعمال باطلہ کے داعی ہوتے ہیں، اور اخلاق فاسدہ کی تقویت کا سبب بنتے ہیں، اس طرح قرآن ان مشرکین ضالین کے درجات خسروی وضلال اور فساد ونکال میں اضافہ کا سبب بن جاتا ہے"!

نتائج اور تفصیل

نص قرآن اور امام رازی کی اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن جہاں بعض کے لئے نعمت ہے، وہاں بعض کے لئے مصیبت بھی ہے۔ مومن قرآن سے اطمینان وسکون حاصل کرتا ہے، قرآن مسلمانوں کو جسم نفس اور خلق کی صحت عطا کرتا ہے، اور مشرکین جو اس کے منکر ہیں، وہ اس میں اپنے نفس کی راحت نہیں پاتے، اس لئے وہ عناد اور مکابرہ کا مسلک اختیار کر لیتے ہیں، ان کے دل میں حسد کی چنگاریاں سلگنے لگتی ہیں، لہٰذا انہیں قرآن سے جو کچھ ملتا ہے۔ وہ ضلال وفساد کے سوا کچھ نہیں ہے، کوئی شبہ نہیں وہ جہاں مومن کے لئے خیرورحمت ہے وہاں منکر کے لیے ہلاکت اور بربادی بھی ہے۔

نظامی گنجوی کی حکایت

جو کچھ اوپر کی سطروں میں مذکور ہوا اس کی مزید وضاحت حسب ذیل حکایت

بالقرآن فلا شفاه الله تعالیٰ" یعنی جو قرآن سے شفا نہیں حاصل کر سکتا، اسے اللہ بھی شفا نہیں دیتا۔[1]

آگے چل کر پھر امام رازی اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

شفا اور رحمت

"قرآن کا مسلمان کے لیے رحمت ہونا تو اس سے ثابت ہے کہ ارواح بشریہ اپنے عقائد باطلہ اور اخلاق فاسدہ کے باعث مریض ہیں۔ قرآن کی دو حیثیتیں ہیں، ایک وہ جس کی رو سے شبہات ضالین کا ازالہ ہوتا ہے اور تموہات مبطلین سے نجات ملتی ہے، ظاہر ہے یہ "شفاء" ہے دوسری وہ حیثیت جس کی رو سے، اکتساب علوم عالیہ اور اخلاق فاضلہ آسان ہو جاتا ہے جس کے باعث انسان اپنے رب کے جوار کا مستحق ہو جاتا ہے ملائکہ مقربین کے زمرہ میں شمار ہو سکتا ہے، یہ رحمت ہے موجبات صحت کی تکمیل ازالہ مرض کی طرف توجہ ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے "شفا" کا ذکر کیا ہے، پھر رحمت کا تذکرہ فرمایا،

جاننا چاہیئے جب خدا نے قرآن کے لیے شفا اور رحمت کا ذکر فرمایا، تو اس نے یہ بھی فرما دیا کہ قرآن کا شفا اور رحمت ہونا

---

[1] مفاتیح الغیب،

جسے ابھی دنیا کے مزے چکھنے ہیں، اس کا دل آرزوؤں اور تمناؤں سے بھرا ہوا ہے"!

پھر میں نے وضو کیا اور مصلّے پر بیٹھ گیا، اور نفل نماز پڑھنے لگا، اتنے میں کسی شخص نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا، میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ آواز آ رہی تھی،

"دروازہ کھولو"!

میں نے پوچھا،

"کیا بات ہے"؟

جواب ملا،

"مریض اب اچھا ہے"!

میں جان گیا یہ سورۃ فاتحہ کی برکت ہے، اور یہ اب چارہ سازی کی کارفرمائی کا نتیجہ ہے، میرے لئے یہ تجربہ بہت خوشگوار ثابت ہوا، پھر تو میں نے متعدد مواقع پر اسے آزمایا، اور جب بھی آزمایا، کامیاب ثابت ہوا، کبھی بھی اس نے خطا نہیں کی، جس مریض کے لئے میں نے اس طرح گڑگڑا کر دعا کی وہ قبول ہوئی اور اسے شفا حاصل ہو گئی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بات ضروری ہے طبیب صادق الاعتقاد ہو، اور شرعی اوامر و نواہی کے احلال احترام کا پورا پورا خیال رکھے۔

دُعا اور یقین

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دعا اگر دل سے نکلے اور یقین ثابت اس کے

سے ہو گی [1]

"امام ابوبکر وفاق سے روایت ہے کہ اعیان نیشاپور میں سے ایک شخص درد قولنج میں مبتلا ہوا۔ یہ واقعہ ۵۰۲ھ کا ہے، اس نے مجھے علاج کے لئے بلایا، میں نے اس کا علاج شروع کر دیا، اس کے مناسب حال میں نے اپنے علم و استعداد کے مطابق متعدد علاج کئے، لیکن مریض میں شفا اور تندرستی کی کوئی علامت نمودار نہ ہوئی، اسی حالت میں ۳ دن گزر گئے۔

آج میں عشا کی نماز کے بعد قیام گاہ پر آگیا، میرا خیال تھا، یہ رات مریض پر بھاری ہے، کاٹے نہیں کٹے گی، آدھی رات تک وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا، پھر میں اونگھنے لگا اور مجھے نیند آگئی۔ لیکن پھر بھی صورت کی سنگینی کا تکلیف دہ احساس مجھے تھا، صبح کو حسب معمول میری آنکھ کھلی اور مجھے یقین تھا کہ مریض اس دنیا سے گزر چکا ہو گا، میں گھر کی چھت پر چڑھا اور میں نے اپنا رخ مریض کے گھر کی طرف کیا، لیکن خاموشی اور سکوت کا دور دورہ تھا، میں نے گریہ و ماتم کی کوئی آواز نہیں سنی، جس سے یقین ہوتا کہ واقعی وہ مر گیا ہے۔

پھر میں نے مریض کے گھر کی طرف رخ کر کے سورۂ فاتحہ پڑھی اور میں نے اللہ کو مخاطب کر کے کہا:

میرے مالک، میرے آقا تو نے اپنی کتاب محکم اور کلام مبرم میں فرمایا ہے "وننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمة للمؤمنین"، میں اس نوجوان کے لیے صحت کی حسرت رکھتا ہوں،

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب "چہار مقالہ"، از نظامی، بزبان فارسی، ص ۶۹ - ۷۰

ساتھ ہو، ایمان عمیق ہو تو دُعا ضرور دل سے نکل کر دل تک پہنچتی ہے۔ اس عمل کا دوسرے نفوس پر بھی بہت اچھا اور گہرا اثر پڑتا ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں اس طریق کو تیلیپاتی Telepathy کہتے ہیں یعنی یہ طریقہ تخاطب اور ارواح کا طریقہ سمجھا جاتا ہے جس کی بنیاد "علاج غائب" کی ہے۔ Absent Treatment اس مسئلہ پر آگے چل کر پھر ہم گفتگو کریں گے

فلاسفہ عرب اور علاج نفسی

امراض جسمیہ و عقلیہ کا طریق علاج

عہد مظلمہ میں جب یورپ جہل اور نادانی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گھرا ہوا تھا، اور جب کہ وہ دور حقیقی معنوں میں تہذیبی اور ثقافتی اور تمدنی نقطۂ نظر سے ظلم و وحشت، بربریت اور تعذیب کا دور کہلانے کا مستحق تھا، مشرق میں نور اور عرفان کی تجلی سے تاریکی دُور ہو چکی تھی، اور ہر طرف اُجالا ہی اُجالا نظر آ رہا تھا۔

عرب حضارت

امم اسلامیہ نے دنیا کو ایک نئی روشنی عطا کی تھی، یہ روشنی تھی علم اور تحقیق کی، یہ ایسی روشنی تھی جس سے دنیا اب تک ناواقف محض تھی، جو دنیا کے لیے ایک نئی اور عجوبہ چیز تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ عربی حضارت اپنے اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی اور ساری دنیا کا دامن وہ اپنے علم و معرفت کے موتیوں سے بھر رہی تھی، عربوں کی حضارت اس درجہ تک پہنچ چکی تھی جہاں تک دنیا کی کوئی قوم اپنی حضارت اور تمدن کے اعتبار سے نہیں پہنچ سکی تھی۔

عربوں کی تاریخ میں اسلام کا دور سنہرا دور کہلانے کا مستحق ہے، اس زمانہ

میں بہت سے ایسے اطبا پیدا ہوئے جو اطبا اور حکمائے یونان، یعنی بقراط اور جالینوس کے صحیح معنی میں وارث تھے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو ذرا بھی مبالغہ نہیں ہوگا کہ انہوں نے یونان کے علم اور تحقیق میں غیر معمولی اضافے کئے، طب اور حکمت کو یونان کے دورِ ارتقا سے بھی زیادہ بلند اور ارفع مقام پر پہنچا دیا، انہوں نے طب میں ایسے حیرت انگیز کمالات دکھائے، ایسے عجائب پیش کئے اور ایسی کرامتوں کا مظاہرہ کیا جن پر دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے۔

عرب اور یورپ

عرب کے مسلمان اطبا اور حکماء کے کمال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ تک یورپ میں مینارۂ نور کی طرح ان کی کتابیں روشن اور تابناک رہیں انہی کتابوں سے یورپ کے تشنگانِ علم سیراب ہوتے رہے، علم حاصل کرتے رہے، اور اپنی جہالت دور کرتے رہے۔ اگر عرب کے مسلمان اطبا اور حکماء نہ ہوتے تو یورپ نہ صرف یورپ بلکہ سارا عالم جہالت میں مبتلا رہتا، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یورپ کے ارتقاء اولیٰ میں سب سے زیادہ ہاتھ عرب کے مسلمان اطبا اور حکماء ہی کا ہے

تاریخ کی شہادت

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ عرب کے بعض اطبا نے علاج نفسی میں غیر معمولی کامیابی حاصل کرلی تھی، وہ عقلی امراض کا بطریق علمی علاج کرتے تھے

اور اس میں نمایاں طور پر کامیاب ہوتے تھے، انہوں نے اس سلسلہ میں جو طریقے استعمال کئے تھے وہ کسی طرح اپنے اثر اور افادہ میں آج کے طریقوں سے کم اور فروتر نہیں تھے، ان امراض کے علاج میں انہوں نے اتنی مہارت اور حذاقت حاصل کرلی تھی، جو امکانی حد کی انتہا تھی،

ان تمام طبیبوں میں سب سے زیادہ ماہر سب سے زیادہ باکمال، سب سے زیادہ صاحب نفوذ، سب سے زیادہ محقق جو شخص تھا، وہ فیلسوف زماں، لغوی محقق، مؤلف، شاعر، شیخ الرئیس، حجۃ الحق، ابوعلی الحسین، بن علی بن سینا تھا،

بوعلی سینا

بوعلی سینا نے عین ریعانِ شباب میں علم طب حاصل کرلیا تھا، اس وقت اس کی عمر ۱۸ سال سے زیادہ نہیں تھی، تمام رواۃ اس پر متفق ہیں کہ ان مریضوں کے علاج میں بھی اس نے نمایاں کامیابی حاصل کی، جن کے علاج سے وقت کے بڑے بڑے طبیب مایوس ہو چکے تھے اور جواب دے چکے تھے، بوعلی سینا صرف جسمانی امراض ہی کے علاج میں یکتا اور ماہر نہیں تھا۔ بلکہ وہ ذہنی اور عقلی امراض کے علاج میں بھی یکتا اور یگانہ تھا، اور اس علاج کی بنیاد اسی طریق عقلی پر تھی جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

عِشق کا علاج

بوعلی سینا کو مرض "عشق" کے علاج میں خاص طور پر ید طولیٰ حاصل تھا اس نے اپنی کتاب "قانون" میں عشق کے عنوان پر ایک پوری فصل قائم کی ہے

جس میں وہ لکھتا ہے۔

"عشق ایک وسواسی مرض ہے، جو مرض مالیخولیا سے مشابہ ہے اس مرض میں انسان پر بعض حسین صورتوں، یا اچھی شمائل رکھنے والے لوگوں کا دھیان قائم ہو جاتا ہے"۔

عشق کی علامتوں میں آنکھوں کا دھنس جانا اور خشک ہو جانا سوا روتے کے وقت کے آنسو نہیں نکلتے، پلکیں بار بار حرکت کرتی ہیں، گویا وہ کسی لذیذ چیز کو دیکھ رہی ہیں، اس مرض میں انسان دوسرے لوگوں سے بیگانہ اور منقطع ہو جاتا ہے، نہ کسی کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے، نہ کسی کا اپنے پاس اٹھنا بیٹھنا گوارا کرتا ہے، خوشی اور ہنسی کے موقع پر غم اور گریہ کے موقع پر اس کی حالت متغیر ہو جاتی ہے، خصوصاً جب کوئی اچھی غزل سنتا ہے، یا ہجر و فراق کا تذکرہ اس کے سامنے چھڑتا ہے، تو وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ پاتا، نیند بہت کم آتی ہے، آرام کی طرف بھی زیادہ میلان نہیں رہتا۔ اس کی نبض یکساں حالت میں نہیں رہتی، نہ وہ کسی نظام کی پابند ہوتی ہے، اس کے سامنے جب معشوق کا نام لیا جائے یا اس کا ذکر کیا جائے، تو اس کی نبض اور حالت میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے، اگر اسے معشوق سے ملنے کا موقع میسر آ جائے تو بھی دفعتہً یہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اگر عاشق اپنے معشوق کا نام نہ بتاتا ہو تو معشوق کا نام اسی طرح معلوم کیا جا سکتا ہے، صورت

اس کی یہ ہے کہ اس کے سامنے بہت سے نام لئے جائیں، ہاتھ برابر مریض کی نبض پر رہے، جس نام پر نبض کی حرکت بدل جائے، تو بس وہی اس کا معشوق ہے، معشوق کا نام معلوم کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جگہوں اور محلوں، شہروں اور قصبوں، پیشوں اور صنعتوں، ذاتوں اور خاندانوں کے ذکر سے بھی نبض میں تغیر ہو سکتا ہے، البشرطیکہ وہ معشوق سے متعلق ہو، پھر معشوق کا نام لیا جائے نبض فوراً بدل جائے گی، اور معشوق کا اچھی طرح سے پتہ چل جائے گا، میں نے خود یہ ترکیب بارہا آزمائی ہے، اور اس سے فائدہ حاصل کیا ہے۔ علاج یہی ہے کہ دین اور شریعت کے مطابق حلال طریقہ سے عاشق اور معشوق کو ایک دوسرے کا بن بنا دیا جائے اس طرح بگڑی ہوئی صحت اور گئی ہوئی قوت پھر عود کر آتی ہے شدت عشق کے باعث ضعف قوٰی، اور حمیات (بخار) طویلہ، دُبلاپن اور کمزوری کے عوارض پیدا ہو جاتے ہیں، حاصل معشوق کے بعد سب دور ہو جاتے ہیں اہماری ان باتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کی طبیعت اوہام نفسانیہ کی مطیع ہوتی ہے"
شیخ کی یہ عبارت خود آپ اپنی تشریح و تفسیر ہے، ہمیں بتایا جائے کہ آج بھی اس دور ارتقا میں کیا اس سے کچھ زیادہ ہے اور کہا جا سکتا ہے جو آج سے صدیوں پہلے شیخ بو علی سینا نے کہا تھا آج کی طب اس سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھی ہے، جہاں تک اسے ابن سینا نے پہنچا دیا تھا؛ کیا طب جدید

ابن سینا کے اس قول ——— طبیعت اوہام نفسانیہ کی مطیع ہوتی ہے ——— پر کچھ اضافہ کر سکی ہے۔

نظریہ اور تجربہ

بوعلی سینا نے جو کچھ کہا تھا، وہ صرف ایک نظریہ ہی نہیں تھا، بلکہ وہ ایک تجربہ بھی تھا، اس نے اس سلسلہ میں جو معرکہ آرا معالجات کئے تھے، وہ اس کے تجربہ کے بہترین شاہد ہیں۔

چنانچہ نظامی عروضی اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں۔

"جرجان کے امیر شمس المعالی کے بھانجے کو بوعلی سینا کی خدمت میں لایا گیا، وقت کے اطبا اس کا علاج کر کے تھک چکے تھے شیخ نے جب اس سے باتیں کیں، اور مرض کے حالات دریافت کیئے تو اندازہ ہوا یہ صاحب مرض حب میں گرفتار ہیں، لیکن مریض اپنی محبوبہ کا نام بتانے پر کسی طرح تیار نہیں تھا۔ شیخ نے سمجھ لیا تھا، جب تک محبوبہ کا نام نہیں معلوم ہو گا، شفایابی مشکل ہے، تو اس نے طے کر لیا کہ جس طرح بھی ہو محبوبہ کا نام معلوم کیا جائے، چنانچہ شہر کے بڑے بوڑھوں کو بلایا، جب وہ لوگ آئے تو کہا:

"کیا تم اس شہر کی گلیوں اور رہنے والوں کو جانتے ہو؟"

انھوں نے جواب دیا،

لہ چہار مقالہ، ۷۸۔۸۰۔ مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۹ء

"ہاں جانتے ہیں!"
شیخ نے کہا،
"ایک ایک گلی کا نام تو لو۔"
شیخ کا ہاتھ مریض کی نبض پر تھا، لوگ گلیوں کا نام گنوانے لگے ایک گلی کے نام پر مریض کی نبض تیز ہو گئی، پھر شیخ نے فرمائش کی کہ اس گلی سے جو دوسرے کوچے پہنچتے ہیں اب ان کا نام لو، ایک کوچہ کے نام پر پھر مریض کی نبض تیز چلنے لگی، پھر شیخ نے کہا اس کوچے کے مکانوں کا نام لو، ایک گھر کے نام پر مریض کی نبض پھر سریع ہو گئی، پھر شیخ نے کہا اس گھر کی دوشیزاؤں کا نام لو جب اس کی محبوبہ کا نام آیا، نبض پھر تیز تیز چلنے لگی، پھر شیخ مریض کی طرف متوجہ ہوا اور کہا

"کیا یہی تمہاری محبوبہ نہیں ہے"؟!
پھر بحث و گفتگو کے بعد پتہ چلا وہ محبوبہ اس کی خالہ زاد بہن ہے اور نوجوان اس سے بے انتہا محبت کرتا ہے، لیکن ڈر کے سبب اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتا، جب گھر والوں کو معلوم ہوا اس کی صحت صرف اسی شادی پر منحصر ہے، انہوں نے اس کی شادی لڑکی سے کر دی، چنانچہ اس کا مرض دور ہو گیا، اور بہت جلد وہ بھلا چنگا ہو گیا!"

ایک اور علاج

بوعلی سینا نے اپنے "قانون" عشق کے علاج کے بارے میں جو کچھ لکھا

ہے، ہم اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

"خصومات اور منازعات اور اشتغال سے بھی طبیعت ہٹ جاتی ہے اور عشق کا زور کم ہو جاتا ہے، اگر عاشق عقلمند ہو تو پند و نصیحت سے بھی وہ راہ راست پر آ جاتا ہے، یا اگر اس کا اور اس کی معشوق کا مذاق اڑایا جائے تو بھی طبیعت بدل جاتی ہے، اگر ایسی بڑی بوڑھی عورتیں مریض پر مسلط کر دی جائیں جو مریض کو رفتہ رفتہ معشوق سے بدظن کر دیں تو بھی یہ مرض جاتا رہتا ہے یہ بوڑھی عورتیں معشوق کی بدصورتی کا بار بار چرچا کریں۔ اس کی قبیح عادتوں کا بار بار ذکر کریں، اس کے اعضا کی نقل کریں، اور مذاق اڑائیں تو بھی رفتہ رفتہ یہ برائیاں دل میں بیٹھ جاتی ہیں اور عشق کا زور کم ہو جاتا ہے، یا اگر وہ دوسری معشوقہ کی طرف مریض کی توجہ کا رخ موڑنے میں کامیاب ہو جائیں تو بھی مریض آسانی سے اچھا ہو جاتا ہے، نیز طرب کی مجلسوں اور جلسہ طرازیوں سے بھی اس مرض میں کمی ہو سکتی ہے، شکار، کھیل کود، تفریحات، سیر و سفر، قصے کہانی اور اسی طرح کی دوسری ترکیبوں اور تدبیروں سے بھی عشق کو ختم یا کم کیا جا سکتا ہے!"

مالیخولیا کا علاج

مرض مالیخولیا میں بھی بوعلی سینا کو غیر معمولی دستگاہ تھی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے

اُس مرض میں ظن اور فکر تغیر پذیر ہو جاتے ہیں، خیالات پستی کی طرف مائل ہوتے ہیں، قوت اور دہشت میں اضافہ ہو جاتا ہے، وسواس میں اضافہ ہو جاتا ہے، غصہ جلدی جلدی آنے لگتا ہے، الگ بیٹھنا پسند آتا ہے۔ طبیعت میں گھبراہٹ اور پریشانی کا دور بڑھ جاتا ہے۔

یہ مرض جب بڑھ جاتا ہے، تو پھر سوءظن بہت بڑھ جاتا ہے غم، وحشت اور کرب میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے ہذیان کلام میں بھی بہت اضافہ ہو جاتا ہے غرض اس مرض کے اوصاف غیر محدود ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ آسمان اب گرا، اب گرا، بعض جن سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں، بعض پر شیطان کی دہشت سوار ہو جاتی ہے، بعض چوروں سے ڈرنے لگتے ہیں، بعض کے دلوں میں یہ ڈر بیٹھ جاتا ہے کہیں کوئی درندہ نہ آجائے بعض لوگ ایسی چیزیں دیکھنے لگتے ہیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا، بعض لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ بادشاہ ہیں یا شیطان بن گئے ہیں، یا درندہ بنتے جا رہے ہیں، یا طیور بن رہے ہیں، یا آلات صناعیہ کے قالب میں ڈھل رہے ہیں، بعض ان میں سے رویا کرتے ہیں، بعض ہنسا کرتے ہیں، بعض موت کی آرزو کرنے لگتے ہیں، بعض اس سے خائف رہتے ہیں

اس کی حالت اور خراب ہو گئی، دُبلا بھی بہت ہو گیا، قویٰ بہت کمزور ہو گئے، تمام طبیب اس کے علاج سے عاجز آ گئے، شیخ الرئیس ابن سینا علاء الدولہ بویہی کے ایک وزیر تھے، وقت کا بیشتر حصہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں صرف کرتے تھے، اس نوجوان کی بیماری کا چرچا انہوں نے بھی سنا، تمام لوگ جانتے تھے کہ وہ امراض عقلی کے علاج میں غیر معمولی مہارت اور کمال رکھتے ہیں، چنانچہ مریض کے عزیزوں نے علاء الدولہ بویہی کے وسیلہ سے ابن سینا کو جا پکڑا، امیر نے مریض کی حالت شیخ کو بتائی، چنانچہ شیخ نے معالجہ کا وعدہ کر لیا، پھر کہا، تم مریض کو خوش خبری سنا دو کہ قصاب اسے ذبح کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ مریض کو جب یہ خبر سنائی گئی وہ بہت خوش ہوا۔

پھر ابن سینا مریض کے گھر میں دو آدمیوں کے ساتھ داخل ہوا، ان کے ہاتھ میں چمکتی ہوئی چھری تھی، شیخ نے چلا کر کہا، مجھے گائے دکھاؤ تاکہ میں اسے ذبح کر دوں، یہ سنتے ہی یہ مریض گائے کی طرح ڈکرانے لگا، گویا وہ کہہ رہا تھا "میں یہ رہا!" ابن سینا نے کہا، اسے گھر کے صحن میں لاؤ، اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دو، پھر اسے زمین پر گرا کر پچھاڑ دو" مریض یہ سنتے ہی خود ہی دوڑ کر صحن مکان میں پہنچ گیا، اور داہنی کروٹ پر لیٹ گیا، جب وہ باندھ دیا گیا تو ابن سینا اس کی طرف متوجہ ہوئے، ان کے ہاتھ میں دو چھریاں تھیں

اور ڈرنے لگتے ہیں[1]"!

اس مرض کے علاج کے سلسلہ میں شیخ نے کہا ہے:

"ایسے مریض کو ہمیشہ کسی نہ کسی شغل میں الجھائے رکھنا چاہیئے اس کے پاس ایسے لوگوں کو بٹھانا چاہیے جن کا وہ احترام کرتا ہو، یا جن سے وہ خوش رہتا ہو، تیز سماع اور مطربات میں بھی منہمک رکھنا چاہیئے، ایسے آدمی کے لیے فرصت اور خلوت سے بڑھ کر ضرر رساں اور نقصان دہ کوئی چیز نہیں ہے! ان مریضوں میں سے بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو ایسے عوارض سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے حال میں بس اب واقع ہونے ہی والے ہیں! اس قسم کے لوگوں کا بہترین علاج یہ ہے کہ ان کا نفس فکر سے محفوظ رہے"!

بو علی سینا نے جو کچھ لکھ دیا ہے، آج اس ترقی کے دور میں بھی مالیخولیا کی نفسی توجیہہ اور نفسی علاج کے سلسلہ میں اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ابن سینا کا تجربہ

نظامی عروضی سمرقندی نے لکھا ہے:

"بنی بویہ کا ایک نوجوان مالیخولیا کے مرض میں مبتلا ہو گیا، یہ مرض یہاں تک بڑھا کہ وہ اپنے تئیں گائے سمجھنے لگا، دن بھر وہ گائے کی طرح ڈکراتا تھا اور کہتا تھا، "مجھے ذبح کر دو۔ میرے گوشت سے بڑا اچھا کھانا پکے گا، آخر اس نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا، جس سے

---

[1] القانون ۔ ج ۲ ص ۶۵ و ما بعد

ایک کو دوسری پر تیز کر رہے تھے، پھر انہوں نے قصابوں کی طرح اسے ٹٹولا، اس کا ایک بازو پکڑ کر جھنجھوڑا، پھر کہا، یہ گائے تو اتنی دبلی ہے کہ اس کا ذبح کرنا بیکار ہے، اسے خوب چارہ کھلاؤ تا کہ یہ موٹی ہو جائے، پھر اسے ذبح کروں گا،

یہ کہہ کر شیخ باہر نکل آئے، اور لوگوں سے کہا، اس کے ہاتھ پاؤں کھول دو، اس کے سامنے بہت سا چارہ ڈال دو، اور اس سے کہو، خوب کھا تا کہ موٹا پا تجھ پر چڑھ جائے، لوگوں نے یہی کہا، مریض اب جو کچھ اسے دیا جاتا کھا لیتا۔ اس امید میں کہ جلدی سے موٹا ہو جائے گا پھر ذبح کیا جائے گا۔ اب دوسرے طبیبوں نے شیخ کی ہدایت کے مطابق اس کا علاج کیا، اور ایک مہینہ کے اندر وہ صحت ور اور توانا ہو گیا"!

گٹھیا کا نفسی علاج

نظامی آگے چل کر ابن سینا سے ایک روایت کرتے ہیں کہ:

ایک سامانی بادشاہ کے دربار میں ایک طبیب بہت سر بلند تھا۔ وہ بادشاہ کے محل تک میں جب چاہے، بلا اجازت آ جا سکتا تھا، ایک روز یہ طبیب حرم میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا، یہاں کسی مرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اتنے میں بادشاہ کو بھوک لگی

ؔ چہار مقالہ۔ ۸۲ — ۸۳

لگی اور اس نے قاصہ طلب کیا، ایک کنیز خوان اپنے سر پر رکھ کر لائی، وہ خوان ابھی سر سے اتار نہیں پائی تھی کہ اس کی پیٹھ کمان کی طرح دوہری ہو گئی خوان اس کے سر سے گر گیا، وہ گر پڑی، سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئی، بے حس و حرکت زمین پر پڑی رہی، کیونکہ ریح غلیظ (روماٹزم) اس کے مفاصل میں بھری ہوئی تھی، بادشاہ طبیب کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس سے کہا اس کنیز کو ابھی اسی وقت، یہیں، جس طرح بھی ممکن ہو، اچھا کر دو چونکہ فوری طور پر کوئی طبیعی علاج ممکن نہ تھا، کیونکہ نہ دوا لائی جا سکتی تھی نہ فوراً وہ چنگی ہو سکتی تھی، للٰہذا غور و فکر کے بعد طبیب نے نفسیاتی علاج کی طرف توجہ کی، اس نے حکم دیا اس کے سر سے اوڑھنی ہٹا دی جائے، اور اس کا منہ کھول دیا جائے، یہ حکم طبیب نے اس لیے دیا تھا کہ لونڈی اس حالت میں شرما جائے گی اس کی حرارت میں حرکت ہو گی اور وہ مرض سے اچھی ہو جائے گی، لیکن طبیب کا یہ خیال درست ثابت نہیں ہوا کیونکہ وہ کنیز ویسی ہی پڑی رہی اب طبیب نے سوچا کوئی اس سے بھی زیادہ شنیع حرکت کرنی چاہیئے، چنانچہ حکم دیا اس کا پاجامہ اتار دیا جائے، لوگوں نے ایسا ہی کیا، وہ ننگی ہو گئی، اور اس پر ایسی شرم طاری ہوئی کہ اس کی اندرونی حرارت بھڑک اٹھی، جس نے اس ریح غلیظ کو جلا دیا۔ چنانچہ وہ کنیز وہاں سے اٹھ کر بھاگی، اور اس مرض سے نجات پا گئی[1]"

---

[1] چہار مقالہ ، ۸۳

رشید کا رئیس الاطبا

اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بھی طب کی تاریخ میں ہمیں ملتا ہے:

"ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید کی ایک دل پسند کنیز کا ہاتھ کھڑا کا کھڑا رہ گیا طبیبوں نے علاج کیا، مالش کی مختلف قسم کی دوائیں آزمائیں مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ رشید نے اپنے وزیر جعفر برمکی سے کہا "اس لڑکی کا مرض کسی طرح نہیں جاتا، جعفر نے جواب دیا میرے پاس ایک ماہر طبیب ہے جس کا نام جبریل بن بختیشوع ہے اسے طلب فرما لیجئے۔ شاید وہ کامیاب ہو سکے۔ رشید نے فوراً حکم دیا جبریل کو حاضر کیا جائے۔ جب وہ حاضر ہوا تو رشید نے کہا:

"تمہارا نام کیا ہے"؟

وہ بولا،

"جبریل!"

رشید نے کہا

"تم طب میں کیا جانتے ہو"؟

وہ کہنے لگا۔

"میں حار کو بارد، بارد کو حار، سخن، یابس کو رطب، اور رطب کو خشک کر سکتا ہوں"!

رشید ہنس پڑا اور کہا،

"طب میں اسی کمال کا ہونا تو ضروری ہے"۔

پھر اس نے اپنی کنیز کا سارا ماجرا اسے سنایا، جبریل نے کہا۔

"اگر امیرالمؤمنین کا عتاب مجھ پر نہ نازل ہو تو میں اسے ابھی اچھا کر سکتا ہوں"!

رشید نے پوچھا،

"وہ کس طرح ؟"

جبریل نے جواب دیا،

"اس کنیز کو بہت سے لوگوں کے مجمع میں کھڑا کیجیے، پھر میں اپنا عمل کروں گا، لیکن پھر عرض کر دوں، برہمی کے اظہار میں تعجیل نہ روا رکھی جائے۔

رشید نے کنیز کی حاضری کا حکم دیا، جب اسے جبریل نے دیکھا اس کی طرف بڑھا، اس کا سر جھکا دیا، اور اس کے کمر بند پر ہاتھ ڈال دیا، گویا وہ اسے ننگا کرنا چاہتا ہے، شدت حیا سے کنیز کے اعضا ڈھیلے پڑ گئے، وہ اپنا ہاتھ نیچے کی طرف لے گئی، اور زور سے اپنا کمر بند پکڑ لیا۔

جبریل نے کہا،

"یہ اچھی ہو گئی، یا امیرالمومنین!"

رشید نے جاریہ سے کہا۔

"اپنا ہاتھ دائیں - بائیں گھماؤ"

"اس نے اچھی طرح گھما کر دکھایا، رشید کو اور تمام حاضرین کو بڑا تعجب ہوا۔ رشید نے اسی وقت جبریل کو پانسو درہم انعام کے طور پر عطا کئے، اور اپنے تمام اطبا کا سردار بنالیا، چنانچہ جبریل اس کے بعد سے رئیس الاطبا کے معزز نام سے یاد کیا جانے لگا، اور دولت عباسیہ کے ممتاز ترین اور حاذق ترین اطبا میں اس کا شمار ہونے لگا۔"[1]

طبیب زکریا رازی

ایک اور واقعہ طبیب زکریا رازی کا بھی اس قابل ہے کہ بیان کیا جا
محمد بن زکریا رازی، حکیم بوعلی سینا سے دس سال قبل یعنی ۳۶۴ھ میں پیدا ہوئے
یہ بھی علاج نفسی میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔

نظامی کہتے ہیں۔

"امیر منصور بن نوح بن نصر سامانی مرض شدید میں مبتلا ہوا، ایک مدت گزر گئی مگر صحت نہ ہوئی، دربار کے طبیبوں نے بہت علاج معالجہ کیا، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آخر امیر نے محمد زکریا رازی کو اپنے علاج کے لیے طلب کیا، رازی آئے اور بخارا پہنچے، جو دولت سامانیہ کا پایۂ تخت تھا، امیر سے ملاقات کی اور علاج شروع کردیا، اگرچہ

---

[1] اخبار العلماص ۹۴ ۔ و عیون الانبا ج ۱ ص ۱۲۷، یہ واقعہ خفیف سے
کے ساتھ ابن حجۃ الحموی کی کتاب "ثمرات الاوراق" کی ج ۱ ص ۱۵۲-۱۵۳ پر بھی
ہے، جو الابشیہی کی "المستطرف" کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔

انہوں نے بہت سی مادی دوائیں استعمال کر ڈالیں، لیکن امیر کو ذرا بھی نفع نہیں ہوا۔

"ایک روز وہ امیر کے پاس آئے اور کہا کل میں آپ کا دوسرے طریقہ سے علاج کروں گا، لیکن ضروری ہے کہ کل آپ کا فلاں گھوڑا اور فلاں خچر بھی تیار رہے" یہ دونوں تیز رفتاری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، دوسرے روز رازی امیر کو لے کر محل سے باہر ایک حمام تھا وہاں پہنچے، باہر گھوڑے اور خچر کو سواری کے لیے بالکل تیار کر کے کھڑا کر دیا اور سائیس کے حوالے کر دیا، اور یہ حکم دے دیا کہ حمام میں کسی شخص کو خواہ وزیر ہی کیوں نہ ہو داخل نہ ہونے دیا جائے، پھر وہ امیر کو لے کر حمام کے اندر گئے، اور وہاں فرش پر اسے بٹھا دیا، پھر ایک جرعہ شراب کا دیا، اور اس کے سر پہ پانی کا ترڑا ڈالنے لگے پھر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ جو اخلاط مفاصل میں تھے وہ حرکت میں آ گئے، پھر باہر آ گئے، اور کپڑے پہن لئے، پھر امیر کے پاس اس حالت میں پہنچے کہ ہاتھ میں چمکتی ہوئی چھری تھی، آکر امیر کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بے تحاشہ اسے فحش اور مغلظ گالیاں دینے لگے اب تو امیر کے غصہ کا پارہ چڑھنا شروع ہوا، اور انتہا کو پہنچ گیا چہرے پر غضب کے آثار پیدا ہوئے، وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا، اب رازی چھری لے کر گالیاں دیتے ہوئے آگے بڑھے، اب امیر کا غصہ اور بڑھ گیا، رازی کی گالی

پھا امیر کچھ نہ کچھ مزید اٹھنے کی کوشش کرتا تھا یہاں تک کہ امیر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ اب رازی گالیاں دیتے ہوئے اپنے گھوڑے پر بھاگ کھڑے ہوئے، خادم خچر پر ساتھ تھا۔ پھر یہ دونوں چلتے چلتے امرد تک پہنچ گئے، وہاں رازی نے امیر کو ایک خط لکھا، جس میں مرقوم تھا! خدا امیر کو عمر طویل عطا کرے۔ میں نے آپ کا علاج شروع کیا۔ اور پوری کوشش کر ڈالی، لیکن اندازہ ہوا کہ ادویہ اور عقاقیر سے آپ کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ہوا بھی تو اس میں بڑی مدت لگے گی، کیونکہ آپ میں حرارت غریزی کم تھی، اور جسم ضعیف تھا۔ لہٰذا اس طریقہ علاج سے ہٹ کر میں نے نفسی علاج کا ارادہ کیا، لہٰذا میں آپ کو حمام لے گیا، وہاں آپ کو شراب پلائی پھر اس حالت میں چھوڑ دیا، یہاں تک کہ آپ کے اخلاط مفاصل میں پک گئے، پھر میں نے آپ کو غصہ دلایا، تاکہ آپ کی حرارت غریزی کی تجدید ہو، اور وہ تحلیل اخلاط کی قوت حاصل کر لے، اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آپ کو معلوم ہی ہے، اور اس کا جو خوشگوار نتیجہ آپ کی صحت و قوت کی صورت میں نکلا وہ بھی آپ جانتے ہیں لیکن اب میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ کے سامنے آؤں اور آپ سے کوئی ربط و تعلق رکھوں[1]!"

نظامی نے پھر لکھا ہے۔

---

[1] چہار مقالہ

"رازی نے یہ خط لکھ کر اپنے خادم کے ہاتھ امیر کو بھیج دیا،
امیر نے رازی کو تلاش کرایا، لیکن وہ نہیں ملا، اس واقعہ کے ساتویں
دن رازی کا خادم، خچر پر سوار گھوڑے کو کھینچتا ہوا آیا، امیر نے
رازی کو بہت سا انعام واکرام بھیجا۔"

ان مثالوں سے قارئین پر یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ عرب طبیب علاج نفسی میں کس درجہ مہارت رکھتے تھے، وہ ادویہ اور عقاقیر پر اتنا بھروسہ نہیں رکھتے تھے، جتنا نفسی طرز علاج پر، خواہ مرض عقل ہو، جیسے عشق اور مالیخولیا یا جسمانی جیسے گٹھیا!

مادی اور نفسی علاج

ابن سینا اور دوسرے مسلم طبیبوں نے، طب پر جو کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اطبائے عرب امراض عقلیہ کے سلسلہ میں مادی طرز علاج کے قائل اور عامل بھی تھے، اور اس میں بھی انہوں نے غیر معمولی کامیابی حاصل کر لی تھی، انہوں نے جو طریقے ایجاد کئے تھے، اور جو وسائل بروئے کار لائے تھے، اور جن میں نمایاں کامیابی بھی حاصل کی تھی، ان تک صدہا برس کی مدت میں بھی یورپ نہیں پہنچ سکا تھا،

ہند اور جاپان کا علاج نفسی

مشرق میں صرف عرب ہی علاج نفسی کے ماہر، موجد اور مکتشف نہیں

تھے، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سولھویں صدی عیسوی میں جاپانی لوگ بھی امراض کے علاج میں وسائل نفسی بروئے کار لاتے تھے اور کامیاب ہوتے تھے، یہ بات بھی قریب قریب تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان میں بھی علاج امراض کے سلسلہ میں نفسی وسائل کامیابی کے ساتھ برتتے جاتے تھے قرینہ یہ ہے کہ ہند اور جاپان نے یہ طریقہ عربوں ہی سے سیکھا تھا، کیونکہ یہ طریق علاج عربوں کے ہاں ہند اور جاپان کے مقابلہ میں زیادہ قدیم ہے۔ اس لیے کہ عرب طبیب، گیارھویں اور بارھویں صدی میں اس طرز علاج میں مہارت حاصل کر چکے تھے، اور مسلمانوں کے دور عروج میں ہند اور جاپان کے عرب سے اچھے خاصے تعلقات اور روابط پیدا ہو چکے تھے، جو مدت مدید تک جاری رہے

عرب طبیبوں کا نظریہ

عرب طبیب صرف تجربہ ہی کو دلیل راہ نہیں بناتے تھے، وہ فلسفہ اور سائنس کی بنیاد پر نظرئے بھی قائم کرتے تھے چنانچہ انہوں نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ جسم اور عقل کے مابین نہایت مضبوط رشتہ ہے، انہوں نے یہ بات بھی معلوم کر لی تھی کہ عقلی چیز یعنی وہم اور ایجا کا اثر جسم پر یعنی بیماری اور تندرستی پر نہایت گہرا ہوتا ہے چنانچہ شیخ کہتا ہے۔

"ذرا اس شخص کی حالت پر غور کرو جو مریض ہے لیکن اس وہم میں مبتلا ہے کہ تندرست ہے، یا صحت مند ہے، لیکن وہم یہ ہے کہ سخت بیمار ہے، صحت اور مرض پر ان توہمات اور تخیلات کا گہرا

اثر پڑتا ہے، اس اثر سے کہیں زیادہ جو طبیب کے آلات اور ادویہ سے مرتب ہوتا ہے[1]"۔

شیخ کے یہ الفاظ قلیل، کثیر المعنی ہیں، ان کے مفہوم میں جو صداقت ہے وہ پہلے بھی تسلیم شدہ تھی، اور آج بھی ہے اس وقت کہ علم اور سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے، علمائے نفسیات شیخ کے اس نظریہ پر کوئی اضافہ نہیں کر سکے سوا اس کے کہ اسے تسلیم کر لیں۔

ابن مسکویہ کا قول

اب ہم ابن مسکویہ کے کلام کا ایک خلاصہ پیش کرتے ہیں:

"طبیب حاذق اس وقت تک جسمانی مرض کا علاج نہیں کرتے جب تک وہ سبب اور علت نہ معلوم کر لے، پھر وہ دوا، غذا اور علاج کی طرف متوجہ ہوتا ہے، نفس ایک الٰہی قوت ہے، جو جسم نہیں رکھتا، اس کا ایک خاص مزاج ہے اور اس کا صحت و مرض سے نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم ہے جب ہم مریض کا معائنہ کرتے ہیں تو ہمیں دماغ اور قلب کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے، کہ ان کے بگڑنے سے بدن بھی بگڑ جاتا ہے، وہ مقلوب ہو جاتا ہے، کانپنے لگتا ہے، زرد پڑ جاتا ہے، سرخ ہو جاتا ہے، دبلاپن اور موٹاپا طاری ہو جاتا ہے اور یہ سب کیفیتیں نفسی تاثرات سے مربوط اور متعلق ہوتی ہیں۔

---

[1] کتاب الشفا [2] تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق، ۱۳۰

جسم اور عقل

کیا ان الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم اور عقل کے مابین ایسا رشتہ ہے، جسے علاج اور معالجہ کے سلسلہ میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا!

ان اقتباسات سے یہ بات اب شک و شبہ سے بالاتر ہو گئی ہے، کہ نفسی علاج کوئی جدید چیز نہیں ہے، اس کا رواج بہت عرصہ سے ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید ذرا بھی مبالغہ نہ ہو کہ جب سے انسان عقل اور شعور کا مالک ہوا ہے، اس وقت سے یہ طریقہ علاج رائج ہے، اس سلسلہ میں تجربے بھی ہوتے رہے، اور نظریئے بھی پیش ہوتے رہے، آج اس کمال اور ترقی کے دور میں بھی حالت یہ ہے کہ قدما مسلمان عرب طبیب، جو بنیادی نظریئے قائم کر چکے تھے، انہی کی بنیادوں پر نئی نئی عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں، آج جو کچھ نفسیاتی علم کے سلسلہ میں ہمارے پاس ہے یہ ہرگز نہ ہوتا، اگر ہمارے بزرگوں نے اس طرف رہنمائی نہ کی ہوتی۔!

اطبّائے عرب اور امراض خلقی

علمائے اور فلاسفۂ عرب کسی ایک حد پر رک نہیں گئے، وہ ترقی کے راستے پر برابر چلتے رہے، انہوں نے عقل وجسم کے اسباب دریافت کئے، امراض عقلی وجسمی کے علاج کے نظریات قائم کیے، اور عملی مثالیں پیش کیں، انہوں نے اس علم کو مدون کر کے باقاعدہ ایک فن بنا دیا، اس کا ایک نصاب بنایا اور تعلیم وتدریس کا باقاعدہ سلسلہ شروع کر دیا، اور اس باب میں یہاں تک تحقیق و تفتیش کی، کہ تاریخ میں ان کے جدو کمال کی مثال اگر تلاش کی جائے تو نہیں مل سکتی۔

فضل وتقدّم

سچی بات یہ ہے کہ عرب اس میدان میں سب سے آگے ہیں، دنیا کی کسی قوم نے بھی اخلاق، تربیت، اور خلق کے سلسلہ میں اس توجہ اور سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا، جس کا فضل وتقدم شاید عرب قوم کے لیے ازل ہی سے مخصوص ہو چکا تھا، اس علم وفن پر عربوں نے مختصر اور طویل بہت سی کتابیں لکھ ڈالیں جو اب تک منارۂ نور کی طرح اپنی چمک دمک دکھا رہی ہیں اور جن کی روشنی سے عالم وجاہل سب راہ یاب اور مستنیر ہو رہے ہیں۔

اس میدان میں سب سے پہلے جن لوگوں نے اولیت اور تقدم کا سہرا باندھا ان میں شیخ الرئیس بوعلی سینا، ابن مسکویہ، راغب الاصفہانی، امام غزالیؒ اور محی الدین ابن عربی سب سے زیادہ مشہور نام اور معروف خلق ہیں:

ابن سینا نے علم اخلاق پر ایک بہت قیمتی رسالہ لکھا ہے، ابن مسکویہ کی کتاب "تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق" بھی بہت پایہ کی کتاب مانی جاتی ہے اسی طرح راغب اصفہانی کی کتاب "الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ" کا مقام بلند بھی صاحبان علم سے پوشیدہ نہیں، نیز امام غزالی کی کتاب "احیاء علوم الدین" اور محی الدین ابن عربی کی کتاب "تہذیب الاخلاق" کے کمال کے بھی سب معترف ہیں:

چند عنوانات

اخلاق اور تربیت خلیقہ کے سلسلہ میں عرب علما اور فلاسفہ نے جو بحثیں کی ہیں، جس طرح بال کی کھال نکالی ہے، اور جس نکتہ سنجی اور معرفت سے کام لیا ہے، ان تمام باقی باتوں کو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے، تو ایک ضخیم اور طویل کتاب کی ضرورت ہے اور اس کا یہ موقع نہیں، البتہ مختصراً اسم وہ عنوانات درج کر دینا چاہتے ہیں، جن پر عربوں نے بسط و تفصیل سے علمی نقطہ نگاہ اور تربیت و تکمیل کے زاویۂ نظر سے بحث و گفتگو کی ہے۔

وہ عنوانات یہ ہیں:

(۱) عجب، (۲) غضب،

(۳) حقد (حسد سے بڑھی ہوئی صورت)،

(۴) حسد ، (۵) بخل ،

(۶) پندار، (۷) ریا یعنی دکھاوا ظاہرداری ،

(۸) کبر و غرور، (۹) خوف

(۱۰) حیرت ، (۱۱) بزدلی، (۱۲) دھوکا ،

ان تمام امراض کا جو علاج تجویز کیا ہے ، وہ تقریباً سب کا سب نفسیاتی بنیاد پر مبنی ہے ، اور حق یہ ہے کہ بالکل کافی اور شافی ہے ، اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو چاہیے کہ وہ ابن مسکویہ ، غزالیؒ ، اور ابن عربی وغیرہ کی ان کتابوں کا مطالعہ کریں ، جو انہوں نے تحریر کی ہیں ، اور جو اپنے موضوع پر قطعی اور آخری حیثیت رکھتی ہیں ،

"غضب" کی تاثیر

مذکورہ اصحاب کی کتب میں سے بعض نمونے ، چند متفرق عنوانات پر ہم درج کرتے ہیں ۔

علامہ ابن مسکویہ اس عنوان پر کہ جسم اور عقل پر غضب یعنی غصہ کا کیا اثر پڑتا ہے ؟ فرماتے ہیں ۔

غضب کی حقیقت!

"غضب درحقیقت نفس کی وہ حرکت ہے ، جو خواہش انتقام کی پیدا کی ہوئی ہوتی ہے ، جس کے باعث خون کا جوش دل کی طرف

ہے ،وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے ، اپنے بھائیوں پر جور کرتا ہے اپنے عزیزوں اور قریب تر لوگوں پر ظلم کرتا ہے ، اپنے غلاموں حتیٰ کہ اپنی بیوی بچوں تک پر ظلم و جور کرنے لگتا ہے۔ وہ ان کے لیے ایک ایسی مصیبت بن جاتا ہے ، جس سے مفر کی کوئی صورت نہیں رہتی وہ ایک ایسا عذاب بن جاتا ہے ، جس سے نجات کا کوئی راستہ نہیں دکھائی دیتا ، وہ ایسے لوگوں پر ظلم و زیادتی کرنے لگتا ہے ، جن کا دامن گناہ سے پاک ہوتا ہے جن سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی ہوتی ، جو کسی برائی کا ارتکاب نہیں کرتے ، لیکن وہ انہیں مجرم گردانتا ہے ، ذراسی بات پر بھڑک جاتا ہے ، پھر نہ اس کی زبان قابو میں رہتی ہے نہ ہاتھ اور وہ لوگ بیچارے اسے کسی طرح بھی روک نہیں سکتے ، نہ وہ اس کی زبان پکڑ سکتے ہیں ، نہ ہاتھ روک سکتے ہیں ، بلکہ یہ تک کر گزرتے ہیں کہ غلط الزاموں کو تسلیم کر لیتے ہیں ، اور ایسے گناہوں کو مان لیتے ہیں ، جن کا صدور ان سے نہیں ہوا ، تاکہ اسی طرح اس کے شر سے بچ سکیں۔ اور اس کے غضب کو ٹھنڈا کر سکیں ، لیکن پھر بھی اس کے غصہ کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی ، اس کے باوجود نہ اس کی زبان رکتی ہے نہ ہاتھ ، نہ اس کے طور طریقے میں کوئی فرق آتا ہے ، وہ ایک مستقل عذاب بن جاتا ہے[1]"!!

انسان یا درندہ؟

علامہؒ موصوف آگے چل کر اسی بحث کے سلسلہ میں فرماتے ہیں؛

---

[1] تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق ،

بڑھ جاتا ہے اگر یہ حرکت تیز ہوتی ہے تو آتشِ غضب تیزی سے بھڑک اٹھتی ہے، قلب کی طرف خون کا دوران تیزی سے بڑھ جاتا ہے شرائین اور دماغ میں ایک تاریک قسم کا دھواں بھر جاتا ہے جس کے اضطراب سے عقل کی حالت بدتر ہو جاتی ہے اور اس کا فعل کمزور ہو جاتا ہے اور انسان ایسے درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کا علاج دشوار اور مشکل ہو جاتا ہے، ایسے غضب کی آگ بڑی مشکل سے بجھتی ہے بلکہ جتنی اسے بجھانے کی کوشش کی جاتی ہے اتنی ہی یہ بھڑکتی ہے اور اس کی شدت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، چنانچہ انسان شدت برہمی میں اندھا ہو جاتا ہے، وہ رشد و ہدایت کے راستے پر نہیں چلتا وہ پند و نصیحت کی بات نہیں سنتا، بلکہ ایسے مواقع پر پند و نصیحت اور وعظ و ارشاد سے اس کا غصہ گھٹنے کے بجائے کچھ اور بڑھ ہی جاتا ہے اس کے اشتعال اور جوش میں کمی نہیں ہوتی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت میں حسب مزاج کمی بیشی ہوتی رہتی ہے[۱]"

غضب کے نتائج!

علامہ موصوف آگے چل کر اسی موضوع پر فرماتے ہیں:

" ایسا غصہ ور شخص جب حد سے بڑھ جاتا ہے، تو اس سے افعال رذیلہ سرزد ہونے لگتے ہیں، ان افعال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی باتیں کر گزرتا ہے، جن سے خود اس کا نفس بھی تکلیف اٹھاتا

---

[۱] تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق

"غصہ کی آگ میں جلد بھڑک جانے والے لوگ، بہائم سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں، وہ سمجھ سے کام نہیں لیتے، نہ معقولیت اور دانش کو رہنما بناتے ہیں، ایسا شخص، گھوڑا، گدھا، چڑیا، کبوتر سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتا ہے، کسی پہ رحم نہیں کرتا، کسی سے مروت کے ساتھ نہیں پیش آتا، ایسے لوگوں سے اگر قفل آسانی سے نہ کھلے تو اسے توڑ ڈالتے ہیں، برتن سے کام نہ بنے تو اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے ہیں اس طرح کا تعلق روی زیادہ تر جہاں میں ہوتا ہے"!

ملوک وسلاطین

"ملوک وسلاطین کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اگر ہوا بھی ان کی مرضی کے خلاف چلے تو اس سے بگڑ بیٹھتے ہیں، قلم اگر روانی سے نہ چلے تو اس سے خفا ہو جاتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں، اور توڑ پھوڑ کر برابر کر دیتے ہیں، بعض بادشاہوں کی تو یہ کیفیت تھی کہ سمندر کی موجیں اگر جوش میں ہوں اور کشتی کو تھپیڑے دے رہی ہوں تو اسے گالیاں دینے لگتے تھے اور دھونس دیتے تھے کہ پہاڑ کاٹ کر اس میں ڈال دیں گے۔ بعض لوگ چاند پر غصہ کرتے اور اسے گالیاں دیتے ہیں، اس کی ہجو میں اشعار کہتے ہیں۔

یہ تمام باتیں افعال قبیحہ میں شامل ہیں، ان میں سے بعض تو قبیح ہونے کے ساتھ ساتھ مضحک بھی ہیں، عورتوں کی کیفیت غصہ میں

مردوں سے بھی کچھ زیادہ ہوتی ہے، مریضوں میں تندرستوں سے زیادہ غصہ پایا جاتا ہے بچے بڑوں سے زیادہ غضبناک اور مشتعل مزاج کے ہوتے ہیں

رذیل اور ذلیل

سب سے زیادہ رذیل اور ذلیل قسم کا غضب جاہل کا ہوتا ہے کیونکہ اگر اس کی مرضی کے خلاف اور خواہش کے برعکس کوئی بات ہو جائے تو اس کے غصہ کا پھر کوئی ٹھکانا نہیں رہتا جو اس کے سامنے کھانا اور پانی پیش کرے، اس پر بھی وہ بہت برہم ہوتا ہے، عورتوں پر بھی غصہ کرتا ہے، اولاد اور خدمت گاروں کو بھی اس سے امان نہیں ملتی، غرض وہ تمام لوگ جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے اس سے تعلق ہو اس کے اشتعال کی زد میں آجاتے ہیں، کنجوس کی اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو اسے فوراً اپنے دوستوں اور ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والوں پر غصہ آجاتا ہے، اس کے ملازمین میں اور ساتھ کے رہنے والوں میں جو لوگ ایماندار ہوتے ہیں، وہ بھی تہمت سے نہیں بچتے ان پر بھی وہ تہمت لگاتا ہے، اور چور سمجھنے لگتا ہے[1]۔

غضب کا انجام

ان تفصیلات کے بعد علامہ ممدوح نے غضب و غصہ کے انجام کا ذکر

---

[1] تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق،

کرتے ہوئے فرمایا ہے،

"ان لوگوں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ان کا کوئی دوست نہیں رہتا کوئی انہیں نصیحت نہیں کرتا، اس لیے کہ یہ کسی کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے ایسے لوگ کبھی خوش اور مسرور نہیں ہوتے، ہمیشہ ملول و غمگین رہتے ہیں ہمیشہ منغض اور کبیدہ خاطر نظر آتے ہیں، ان کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے انکی زندگی میں اطمینان اور سکون کے لمحے شاذ و نادر ہی بار پاتے ہیں

غصّہ کے اسباب

"غضب اور غصہ کے اسباب کی اگر چھان بین کی جائے تو معلوم ہوگا، کہ پندار، فخر، شرم، مزاح، استہزا، دھوکا اور ایسے امور کی طلب جو لذت کے موجب ہوں، اور جن کے باعث لوگ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں، حسد کرتے ہوں، یا پھر انتقام کی طلب، یہ چیز بھی غصہ کو بھڑکاتی ہے،

غصہ کے لواحق میں جو چیزیں شامل ہیں، وہ ہیں، ندامت، زود پشیمانی عقاب یا جزا، عاجل یا آجل، الم کی زیادتی، مزاج کا تغیر، اس لئے کہ غصہ درحقیقت ایک قسم کا عارضی جنون ہے، اس کا انجام کبھی کبھی ہلاکت بھی ہوتا ہے، وہ ایسے امراض شدیدہ کا سبب بن جاتا ہے، جو فوری طور پر یا تاخیر کے ساتھ ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں[۱]"

---

[۱] تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق،

اس عنوان پر آگے چل کر علّامہ موصوف نے فرمایا ہے:

غصّہ کے لواحق!

"غصہ کے دوسرے لواحق یہ ہیں کہ آدمی کے دوست کم ہو جاتے ہیں، شماتت اعدا سے اسے سابقہ پڑتا ہے، حسّاد اس کا مذاق اڑاتے ہیں، غصہ کے اسباب کا علاج یہ ہے کہ ان سے محترز رہنے کی کوشش کی جائے یہاں تک کہ غصہ کا مادہ جڑ سے اکھڑ جائے، اگر ہم ان اسباب پر قابو پالیں، اور انہیں دور کر دیں، تو ہم غضب کی قوت توڑ دیں گے، اور اس کے مادہ کو قطع کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اس کی تباہ کن اور تکلیف دہ مصیبتوں سے نجات پا جائیں گے[۱]۔"

کیا ان تصریحات نافعہ کے بعد بھی اس موضوع پر کچھ کہنے کی گنجائش ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ علامہ ابن مسکویہ نے اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ ایسا احاطہ کیا ہے، کہ کوئی پہلو بحث و نظر کے لیے چھوٹنے ہی نہیں پایا ہے؟

امام غزالیؒ کے افکار!

امام غزالیؒ نے غضب کے اسباب و نتائج پر اور طرق علاج پر جو کچھ لکھا ہے اس میں قرآن کریم، حدیث شریف، اقوال صحابہ و صالحین اور ان کے عمل سے بھی

---

[۱] تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق۔

استدلال کیا ہے، باقی باتوں میں وہ اور علامہ ابن مسکویہ تقریباً متفق ہیں،
امام غزالیؒ فرماتے ہیں:
"غضب ایک شعلۂ آتش ہے، جو غضب خداوندی کے شعلوں کی ایک چنگاری ہے، جس کی لپیٹ دلوں تک پہنچتی ہے، اس کا مسکن دل کی گہرائی ہے، جیسے راکھ کے نیچے پتھر"[1]

آثارِ غضب!

آثارِ غضب کے سلسلہ میں امام غزالیؒ ارشاد فرماتے ہیں:
"جب غصہ کی آگ بھڑکتی ہے، تو آدمی اندھا ہو جاتا ہے، ہر پند و نصیحت سے بہرہ ہو جاتا ہے، اگر نصیحت کی جائے تو نہیں سنتا، بلکہ اس کا غصہ اور بڑھ جاتا ہے، اگر اسے عقل کی روشنی دکھائی جائے تو نہیں دیکھتا، اس کا دماغ ایک ایسا غار بن جاتا ہے، جس میں آگ بھڑک رہی ہو، جو چہرہ کو سیاہ کر دیتی ہے، اپنے مستقر کو جلا دیتی ہے، دھواں اس کے چاروں طرف پھیل جاتا ہے، اس تاریکی میں ثابت قدمی جواب دے جاتی ہے، نہ کوئی آواز سنائی دیتی ہے نہ کوئی صورت دکھائی دیتی ہے، اور اندر اور باہر ہر جگہ سے اس کا بجھانا ناممکن ہو جاتا ہے، اور جو کچھ سامنے ہوتا ہے، جو سامنے آتا ہے وہ اس آگ کے شعلوں سے اپنا دامن نہیں بچا سکتا، غصہ کی آگ قلب و دماغ کو بھی جلا دیتی ہے

---

[1] الاحیاء،

غصہ کی آگ جب زیادہ بھڑکتی ہے تو وہ قلب کی رطوبت کو جو درحقیقت اس کی زندگی ہوتی ہے، خشک اور فنا کردیتی ہے اور اس طرح آدمی کی فوراً موت واقع ہو جاتی ہے!

علاماتِ غضب

"غضب کے آثار میں جو چیزیں شامل ہیں وہ یہ ہیں، آدمی کا رنگ بدل جاتا ہے، آدمی وفورِ تاثر سے کانپنے لگتا ہے، حرکت اور کلام میں اضطراب بڑھ جاتا ہے، بعض وقت آدمی کے منہ سے جھاگ آنے لگتا ہے، آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، گلا رندھ جاتا ہے، اگر آدمی غصہ میں خود اپنی صورت کسی طرح دیکھ لے تو اپنی بھونڈی صورت دیکھنے کے باعث اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے لیکن قبحِ باطن، قبحِ ظاہر سے زیادہ برا ہے، اس لیے کہ ظاہر تو باطن کا عنوان ہے، اگر باطن ہی قبیح نہ ہو تو ظاہر بھی بھی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ظاہر باطن کا آئینہ ہوتا ہے، لہٰذا ظاہر کا تغیر درحقیقت ثمر ہے، باطن کے تغیر کا، ان تمام باتوں کا اثر جسم پر بھی پڑتا ہے[1]،

غضب کا علاج!

آگے چل کر امام غزالیؒ نے یہ بتایا ہے کہ غضب کا زبان، اعضا، اطراف،

---

[1] الاحیاء،

اور قلب پر کیا اثر پڑتا ہے؛ پھر انہوں نے غصہ کے وسائل علاج تحریر فرمائے ہیں، اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے، وہ اپنی نظیر آپ ہے اس جگہ ایجاز و اختصار کے ساتھ ہم ان کا کلام پیش کرتے ہیں،

فرماتے ہیں:

" غصہ واقع ہونے سے پہلے اس کے اسباب کا علاج کرنا چاہیئے اور واقع ہونے کے بعد نفس کو سکون پہنچانے کی سعی کرنی چاہیئے، غصہ کے اسباب میں مزاح، ٹھٹول، پندار، ہزل، شدت حرص، اور تمام ہیجان آور چیزیں شامل ہیں،

نجات کی صورت!

غصہ سے نجات پانے کی یہ صورت ہے کہ اسباب غضب کا امنداد سے مداوا کیا جائے، یعنی زہو کا علاج تواضع سے، پندار کا معرفت نفس سے۔ دنیا کے تمام لوگ ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہیں، اب اگر کوئی شخص فخر کرتا ہے تو گویا وہ غیر جنس انسانی ہیں سے ہے، یہ تصور فخر کو زائل کرنے میں معین و مددگار رہوگا، مزاح کا ازالہ مہمات دینیہ میں مصروفیت سے ہو سکتا ہے، ہزل کو طلب فضائل و علوم دینیہ کے جذبہ سے دور کیا جا سکتا ہے، مذاق اڑانے کا مرض تکریم کرنے سے دور ہو سکتا ہے، نیز اس خیال سے کہ جو ہنستا ہے وہ ہنسا جاتا ہے، شدت حرص کو قناعت اور استغنا سے دور کیا جا سکتا ہے!

اوپر جو طریقے علاج کے بتائے گئے ہیں، ان میں کامیابی کے لیے ریاضت، تحمل، اور مشقت کی ضرورت ہے، تاکہ نفس ان برائیوں سے روگرداں ہو جائے، اور ان کے قبح کو پہچان لے، اس طرح اصول اضداد پر کافی عرصہ تک عمل کرنے کی ضرورت ہے، یہاں تک کہ وہ عادت بن جائے اور طبیعت ثانیہ کی صورت اختیار کر لے، اس صورت میں نفس رذائل سے پاک اور اخلاق ردیہ سے صاف ہو جاتا ہے اور غضب کا مادہ ختم ہو جاتا ہے، بلکہ اس کی پیدائش ہی ختم ہو جاتی ہے"!

علاج کے چھ طریقے!

غصہ آ جانے کی صورت میں امام غزالیؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا ہے:

"غضب کے ہیجان کی صورت میں علم اور عمل کی "معجون" استعمال کرتے سے یہ مرض جاتا رہتا ہے، غصہ سے خلاصی پانے کے لیے حسب ذیل چھ صورتیں اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔

(۱) آدمی یہ سوچے کہ غصہ روکنے، ضبط سے کام لینے، عفو و درگزر برتنے اور معاف کر دینے میں عند اللہ کتنی بڑی فضیلت ہے، اس طرح آدمی کارِ ثواب کی طرف راغب ہوگا، اور اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا،

(۲) غصہ کے وقت انسان اللہ کے خوف سے ڈرے، وہ سوچے جتنی قدرت میں اس شخص پر کہ یہ میرا مغضوب ہے رکھتا ہوں، اس سے کہیں زیادہ خدائے بزرگ و برتر میرے اوپر قدرت رکھتا

ہے، میں اس آدمی کا اتنا نہیں بگاڑ سکتا جتنا کہ خدا میرا بگاڑ سکتا ہے، اگر میں نے اس کو نہیں معاف کیا تو روز قیامت خدا سے میں بھی عفو و رحم کی توقع نہیں کر سکتا، حالانکہ میں بہت زیادہ قیامت کے دن عفو کا محتاج ہوں گا، بعض اہل کتاب کی مذہبی کتابوں میں خدا کی طرف منسوب یہ قول بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ وہ کہتا ہے:

اے ابن آدم جب تجھے غصہ آئے، مجھے یاد کر! مجھے جب غصہ آئے گا تجھے یاد کر لوں گا۔

(۳) غصہ کے وقت آدمی یہ بھی سوچ لے کہ عداوت اور انتقام کا انجام کیا ہوتا ہے، کیسے کیسے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور کیسی کیسی دشواریوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے، اگر انسان کے دل میں آخرت کا خوف نہیں ہے، تو بھی دنیا میں اس کار بد کا جو انجام بھگتنا پڑتا ہے اسی کا خیال رکھنا اور اس سے ڈرنا چاہیے۔

(۴) غصہ کے وقت انسان کتنا بدشکل ہو جاتا ہے اس کا تصور بھی کرنا چاہیے، وہ ضرر پہنچانے والے کتے اور پھاڑ کھانے والے درندے سے بہت زیادہ مشابہ ہو جاتا ہے، اس کے برعکس حلیم اور بردبار شخص انبیاء، اولیاء، علما اور حکما کے گروہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کر لیتا ہے، اب انسان کو خود سوچ لینا چاہیے کہ وہ کتوں، درندوں اور اراذل ناس سے مشابہت پسند کرتا ہے، یا انبیا اور علما، صلحا اور اولیا سے؟

(۵) انسان کو اس سبب پر غور کرنا چاہیے، جو انتقام اور غصہ کا موجب ہوتا ہے، اگر شیطان اس کے کان میں یہ پھونکے کہ اگر تم نے درگزر سے کام لیا تو یہ تمہاری کمزوری سمجھی جائے گی، تم حقیر اور کمتر سمجھے جاؤ گے، کہیں ذلت اور حقارت برداشت کرنی پڑے گی تو اسے خود اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہنا چاہیے میں آج کی ذلت اور حقارت کو قیامت کی ذلت اور حقارت کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں، لوگوں کی نظروں میں سبک ہونا میرے لیے اتنا تکلیف دہ نہیں جتنا خدا، ملائکہ اور انبیاء کی نظروں میں سبک اور حقیر ہونا تکلیف دہ ہے، میں اگر اپنا غصہ دبا لوں، رحم اور درگزر سے کام لوں، تو لازمی ہے کہ خدائے قادر و توانا بھی میرے ساتھ یہی سلوک کرے،

(۶) انسان کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اسے جس بات پر غصہ آرہا ہے وہ گویا خدا کے ارادہ اور مشیّت کے خلاف آرہا ہے، جو اس نے چاہا وہ نہیں ہوا، جو خدا نے چاہا وہ ہوا، پھر غصہ کیوں؟ [1]

تسکین غضب کے لیے امام غزالیؒ نے اوپر جو کچھ کہہ دیا، آج کل کے علمائے نفس بھی اس سے آگے نہیں جا سکے،

قولی ترکیبیں!

اوپر غصہ کو روکنے کے عملی طریقے درج ہوئے، اب قولی ترکیبیں درج کی

---

[1] الاحیاء،

جاتی ہیں، تسکین غضب میں یہ بھی تریاق کا کام دے سکتی ہیں،
غصہ کے وقت، اگر انسان "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" کا ورد کرے
تو تسکین ہوتی ہے، یا یہ دعا مانگے،

"اللھم رب النبی محمد اغفرلی ذنبی واذھب غیظ قلبی
واجرنی من مضلات الفتن"!

یہ دعا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو تلقین فرمائی تھی کہ وہ غصہ کے وقت اسے ورد کیا کریں،

ان تمام باتوں کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی توجہ غصہ سے منحرف ہو جائے اور اس کے فکر کا طور دوسرا بن جائے۔

اور اگر اس طرح کامیابی نہ ہو تو:

"غصہ کی حالت میں اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ غرض اس زمین سے قریب ہو جاؤ جس کی مٹی سے تمہاری تخلیق ہوئی ہے، تاکہ تم معرفت نفس میں کامیاب ہو سکو، اپنی حقیقت پہچان سکو، بیٹھنے اور لیٹنے سے یقینی طور پر سکون حاصل ہوگا، کیونکہ غضب کا سبب حرارت ہے اور حرارت کا سبب حرکت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "غضب ایک انگیٹھی ہے جو قلب میں بھڑکتی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے ______ اور آنکھوں کی سُرخی، اگر تم میں سے کوئی شخص اس حالت میں ہو تو اسے چاہیے کہ اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، اگر بیٹھا ہے تو سو جائے"!

دورِ جدید کے علمائے نفس!

رسول اللہؐ نے جس طرف اس سلسلہ میں رہنمائی فرمائی، اسے ۱۴ سو برس کی طویل مدت گزر چکی ہے، یہی بات دورِ جدید کے علمائے نفس بھی خفیف سے لفظی تغیر کے ساتھ کہتے ہیں، وہ جسم کی ظاہری حالت کے تغیر سے اسے موسوم کرتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ہر انفعال جسم کی ظاہری حالت اور باطنی کیفیت پر اثر انداز ہوتا ہے، اور حالاتِ جسمی کا یہ تغیر، ضعفِ انفعال، اور تسکین اشتعال کا سبب ہوتا ہے۔

جہاں تک ظاہری حالت کے تغیر کا تعلق ہے وہ تو حدیث شریف اور نظریۂ جدید سے منطبق ہو گیا، اب باطنی کیفیت کو بھی لیجیے، تو معلوم ہو گا اس معاملہ میں بھی حدیث شریف کی ۱۴ سو برس والی رہنمائی آج تک قائم ہے۔ جدید علمائے نفسیات بھی اسے ماننے پر مجبور ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔

"اگر غصہ دور نہ ہو تو ٹھنڈے پانی سے وضو کر لو، یا غسل کر ڈالو، کیونکہ آگ صرف پانی ہی سے بجھتی ہے"![1] ——— ایک موقعہ پر سرکارِ رسالتؐ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے، تو اسے چاہیے کہ وضو کر لے کیونکہ غضب آگ ہی کی ایک چنگاری ہے[1]۔

حضرت رسالت مآبؐ کا یہ کلام کتنا منطقی اور کتنا جمیل ہے۔ یہ کلام لسانِ نبوی سے وارد ہوا ہے، جو ظاہر تھی، جس ذاتِ گرامی کی تربیت خود باری تعالےٰ نے

---

[1] الاحیاء،

فرمائی تھی اور جو کچھ کہتے تھے حق کہتے تھے حقیقت کہتے تھے، ان نکات کی طرف انسان ہنوی تحقیق کے بعد پہنچا، جو بات نبی امیؐ نے آج سے ۱۴ سو برس پہلے ارشاد فرمائی تھی، یورپ بڑی کھوج اور بڑی تگ و دو کے بعد وہاں تک صرف پچاس برس ہوئے ہیں جب پہنچا ہے۔

غصّہ کے مراتب!

دوسرے انفعالات کی طرح غصہ کے بھی دو رخ ہوتے ہیں،

(۱) پہلا رخ وہ ہے جو شر کی طرف مائل ہوتا ہے، یہ مضرت پہنچاتا ہے لیکن نفع نہیں پہنچاتا،

(۲) دوسرا رخ وہ ہے جو خیر کی طرف مائل ہوتا ہے، اس کا تعلق صرف دماغ سے ہوتا ہے، یا اپنی عزت آبرو بچانے کے خیال سے۔

امام غزالیؒ نے غصہ کے تین درجات مقرر کئے ہیں، وہ فرماتے ہیں،

"انسان کا غصہ تین درجات کا حامل ہے۔

(۱) تفریط،

(۲) افراط،

(۳) اعتدال،

تفریط کے معنی!

تفریط کے معنی یہ ہیں کہ انسان میں غصہ اور غضب کا مادہ ہی سرے

سے نہ ہو، یا ہو لیکن بہت ہی کم، تو یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں ایسے آدمی میں حمیّت اور غیرت بھی نہیں ہوتی، امام شافعیؒ فرماتے ہیں، جس کو غصہ دلایا جائے، پھر بھی اسے غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے، آدمی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اصحابِ نبیؐ کے صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" یعنی یہ لوگ دشمن کے لیے سخت اور آپس میں مہربان ہیں نبی کریم صلعم نے ایک موقع پر فرمایا "جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ" یعنی کفار اور منافقین سے جہاد کرو، اور ان کیساتھ سختی سے پیش آؤ۔ اس سے ثابت ہوا کہ غلظت اور شدت حمیّت کے آثار ہیں اور اسی کا نام غضب ہے۔

افراط کا مفہوم!

افراط یعنی انسان غصہ میں حد سے آگے بڑھ جائے یہاں تک کہ عقل کی رہنمائی اور دین کی اطاعت سے الگ ہو جائے، بصیرت اور فکر و نظر سے محروم ہو جائے، یہ ایسا مرض ہے جس کا علاج اور مداوا ضروری ہے، لہٰذا افراط اور تفریط دونوں صورتیں مذموم ہیں، صرف اعتدال ہو توسّط کا راستہ ہی اس قابل ہے کہ اسے اختیار کیا جائے، اور اسی کی پیروی کی جائے"[1]

---

[1] الاحیاء

حمیّت اور غیرت!

امام غزالیؒ نے آگے چل کر حمیت اور غیرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

" انسان کی حمیت اگر کمزور ہو، اور غیرت کی باتوں سے بھی اسے شرم و غیرت نہ آئے، یعنی وہ اپنے حرم، زوجہ، کنیز وغیرہ کا ناموس نہ بچا سکے، تو یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں، بلکہ سراسر مذموم اور قابل افسوس ہے، کیونکہ یہ نتیجہ ہے عدم غیرت اور فقدان حمیت کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" سعدؓ بہت غیور ہے، میں اس سے زیادہ غیور رہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیور ہے" غیرت کی خلقت در حقیقت حفظ انساب کے لیے ہوئی ہے، اگر لوگ اس میں تسامح کرنے لگیں، تو انساب مختلط ہو جائیں،

منکرات اور منہیات

اسی طرح منکرات اور منہیات کے موقع پر جو سکوت روا رکھا جاتا ہے، وہ بھی مذموم ہے، چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے " لا تاخذکم بھما رأفۃ فی دین اللہ " بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ جس میں غیظ و غضب کا مادہ ہی نہ ہو وہ ریاضت نفس پر بھی قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ ریاضت کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک انسان اپنے نفس پر میل شہوات کی صورت

ہیں غضب اور جور سے کام نہ لے[1]"،

ہم نے امام غزالیؒ کے ارشادات وملفوظات سے گنجائش کے مطابق اقتباسات پیش کر دئیے، لیکن جو لوگ اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ غضب کے بارے میں حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے ارشادات بسط و تفصیل کے ساتھ ان کی معرکہ آرا کتاب "احیاء علوم الدین" میں ملاحظہ فرمائیں اگر آپ کا قلب از قبیل جمادات نہیں ہے، تو ممکن نہیں ہے کہ ان کے حقائق آفریں اور دل پر اثر کرنے والے فرمودات آپ کو راہ یاب کرنے میں کامیاب نہ ہوں،

مجھے یقین ہے اگر آپ نے امامؒ کی کتاب میں سے یہ تفصیل دیکھ لی تو ضرور آپ ساری کتاب پڑھنے پر اپنے تئیں مجبور پائیں گے، اس میں امراض نفس کے ایسے ایسے کامیاب اور معرکہ آرا علاج تجویز کئے ہیں جو بیٹ پڑھ ہی نہیں سکتے ان چیزوں کو پڑھنے کے بعد یورپ کے ایک بہت بڑے مفکر نے کہا تھا:

"اگر اسلام یہی ہے جو امام غزالیؒ نے بیان کیا ہے تو میں سب سے پہلے مسلمان ہونے کو تیار ہوں"!

ابن عربی کا کلام!

اب یہ بیان ختم کرنے سے پہلے ہم اس سلسلہ میں ابن عربی کے بعض افکار و اقوال سے بحث کریں گے۔

غضب کے ذکر میں وہ فرماتے ہیں۔

---

[1] الاحیاء،

"نفس غضبیہ میں انسان اور سارے جانور مشترک ہیں، یہ نفس نفسِ شہوانی سے بھی زیادہ قوی اور طاقت ور ہے، یہ آدمی کو بہت زیادہ نقصان پہنچاتا ہے، اگر انسان نفس غضبیہ کا مطیع و منقاد ہوجائے تو اس کا غصہ بہت بڑھ جاتا ہے، وہ حلم و وقار کھو دیتا ہے حسد کا مرض بھی اس میں پیدا ہو جاتا ہے اس کی جرأت بڑھ جاتی ہے جوش انتقام اور جوش غضب میں اپنے حریف پر وہ حملہ بھی کر بیٹھتا ہے، گالم گلوچ اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے فحش اس کا مزاج بن جاتا ہے، یہ عادت اگر پروان چڑھ جائے تو انسان انسان نہیں رہتا درندہ بن جاتا ہے، ایسا آدمی دوستوں پر عزیزوں پر، خدمت گاروں پر، محکوموں پر، غلاموں پر ذرا سی بات پر بگڑ جاتا ہے، اگر انسان غصہ کی حالت میں اپنے حریف پر قدرت نہیں رکھتا، تو اپنا غصہ خود اپنے اوپر اتارتا ہے، اپنے آپ کو مارتا ہے اپنی ذات کو نقصان پہنچا لیتا ہے، اپنے چہرے پر چانٹے مارتا ہے، اپنی داڑھی نوچ لیتا ہے، اپنا ہاتھ کاٹ لیتا ہے، خود اپنے تئیں گالیاں دینے لگتا ہے، اپنی بے عزتی پر خود ہی تل جاتا ہے اور ایسی بے سروپا باتیں کرنے لگتا ہے، جو تکلیف دہ بھی ہوتی ہیں، اور مضحک بھی[1]

---

[1] مجموعۃ الرسائل،

ایک اور پہلو!

غضب ناک شخص کا ایک اور پہلو بھی ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر وہ جائز اور امکانی طریقہ سے اپنے غصہ کو نہیں اتار پاتا تو پھر خبیث اور ذلیل طریقے اختیار کرتا ہے تاکہ اس کا جوش غضب کم ہو، اور تسکین پائے غرض جہاں تک شر اختیار کرنے کا تعلق ہے، وہ کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتا، ان طریقوں کے اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسے مہادی اور مہالک سے بھی سابقہ پڑتا ہے، اگر وہ حملہ کرتا ہے، تو حملہ اس پر بھی کیا جاتا ہے، وہ دشمنی کرتا ہے تو اس کے ساتھ بھی دشمنی کی جاتی ہے، وہ کسی کے ساتھ شر کا برتاؤ کرتا ہے، اس کے ساتھ بھی یہی کیا جاتا ہے۔ اکثر حالتوں میں آدمی کو شرمندہ بھی ہونا پڑتا ہے، اس کا انجام حقد، حسد وغیرہ کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے"۔

نفس غضبیہ کے مراتب!

آگے چل کر ابن عربی نے، نفس غضبیہ کے مراتب سے بحث کی ہے، فرماتے ہیں

"غیظ وغضب کے سلسلہ میں لوگوں کے اختلاف عادات نتیجہ ہوتا ہے اختلاف اصول کا، جو نفس غضبیہ سے متعلق ہوتے ہیں، ان کی علت موجبہ یہ ہے کہ اگر یہ حالت مقہورہ ہوتی، تو انسان حلیم وقور ہوگا،

حملہ ہوگی، تو انسان غضب ناک اور سفیہ ہوگا، متوسط ہوگی تو انسان حلیم ہوگا، اور اسے غصہ اسی وقت آئے گا جب واقعی حالات و مصالح کا تقاضہ یہی ہوگا،

فضائل محمودہ!

نفس غضبیہ کے کچھ فضائل محمودہ بھی ہیں، مثلاً امور دنیادی میں شرم و غیرت کا پاس، سربلندی اور سرفرازی کی تمنا، مراتب عالیہ کی طلب، ان تمام چیزوں کا شمار افعال و اخلاق محمودہ میں ہے، اور یہ سب نفس غضبیہ کے افعال ہیں، اگر اس نفس کی صحیح تہذیب و تربیت کر دی جائے، اور اسے امور جمیلہ میں استعمال کیا جائے، اور افعال مکروہہ سے دور رکھا جائے، تو یہ بہت اچھی اور قابل تعریف چیز ہے!

نفس غضبیہ کا علاج!

نفس غضبیہ کے علاج کے سلسلہ میں ابن عربیؒ فرماتے ہیں۔

" انسان کو سمجھنا چاہیے کہ غضب کی حالت اسے درندگی کی منزل تک پہنچا دیتی ہے، وہ ایسی حرکتیں کر گزرتا ہے جو انسانیت سے بعید ہوتی ہیں، ایسے آدمی کے غصہ کا جواب غصہ سے دینا بھی غلطی ہے، کتا اگر بھونکے تو کیا اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی خود بھی اسے بھونکنے لگے

یا یہ کہ اسے نظر انداز کر دے؛ غصہ ور آدمی کی مثال نیزہ کی ہے، نیزہ خود اپنا استعمال نہیں جانتا اسے نہیں معلوم ہوتا وہ کیا کر رہا ہے؛ ایک دانشمند آدمی کو اگر ایسے سفیہہ اور نادان سے سابقہ پڑے تو اسے اپنے نفس غضبیہ پر قابو رکھنا چاہیئے [1]"

اس بہتر اسلوب سے ابن عربیؒ نے اپنے بعض دوسرے رسالوں میں بھی غضب اور ان کے علاج پر بڑی نکتہ سنجانہ، دقیق اور نفسیاتی بحث کی ہے، جو شخص اس موضوع پر علامہ موصوف کے ارشادات کا اچھی طرح سے مطالعہ کرنا چاہے، اسے چاہیے کہ وہ علامہ ممدوح کے رسائل کا امعان نظر سے مطالعہ کرے، جن سے بے انتہا نفع حاصل ہوگا، اور بصیرت پیدا ہوگی۔

امراض خلقیہ!

علامہ ابن عربیؒ امراض خلقیہ کے علاج کے سلسلہ میں جس اصول کے قائل تھے وہ وہی تھا جسے آج کل کی اصطلاح میں "تجدید تربیت"، یعنی ری ایجوکیشن [2] کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔

---

[1] المجموعہ

[2] Re-Education

نفسی علاج

۱۸ویں اور ۱۹ویں صدی عیسوی میں

اب ہم ان ترقیوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو نفسی علاج کے سلسلہ
میں ۱۸ویں اور ۱۹ویں صدی عیسوی کے درمیان ظہور پذیر ہوئیں،

یورپ کا دور ارتقا!

۱۸ویں صدی کا نصف آخر اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ یورپ نے نفسی
علاج کی طرف خاص توجہ کی، اور نظریہ وعمل کی حد تک اس نے کئی قدم آگے
کی طرف بڑھائے،

ڈاکٹر مسمر اور مسمریزم

اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام اپنی شخصیت کی بلندی، کام کی کامیابی
اور فن کے ارتقا کے اعتبار سے لیا جا سکتا ہے، وہ ڈاکٹر فرانز انیٹن مسمر[1]
ہے یہی وہ شخص ہے جو نظریہ مسمریہ یعنی Mesmerism کا بانی ہے

---

[1] Franz Anton Mesmer

اس نظریہ کا دوسرا نام جو اصطلاحی طور پر مروج ہے، وہ ہے "نظریہ مقناطیسیہ حیوانیہ"، جسے انگریزی میں Animal Magnetism کہتے ہیں،
اس موقع پر اس نظریہ پر تفصیل سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے، صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ شخص (ڈاکٹر مسمر) وہی عقیدہ رکھتا تھا جو بابل کے قدیم عہد کے لوگوں کا تھا، یعنی اجرام علویہ اور کواکب، انسان اور کائنات سفلی (دنیاوی) کے دوسرے موجودات پر اثر انداز ہوتے ہیں، یہ اثر اندازی مقناطیسی قوت کی رہین منت ہوتی ہے، جس سے موجہات متلاحقہ برآمد ہوتی ہیں یہ برابر حرکت کرتی رہتی اور چلتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ اجسام ارضیہ سے پیوست ہو جاتی ہیں، پھر انسان تک پہنچتی ہیں، اور اس کے جسم میں حل ہو جاتی ہیں، اور پھر اس کی حیات جسمیہ و عقلیہ پر اثر انداز ہوتی ہیں،

مسمر کا عقیدہ!

مسمر کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ قوت مقناطیسیہ مریض میں محبوس رکھی جا سکتی ہے اور اسے پھیلنے سے روکا جا سکتا ہے، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ مقناطیسی موجوں کو مصنوعی طور پر جسم میں پیدا کر دیا جائے، اس طرح انسان اپنے امراض سے نجات پا سکتا ہے،

چنانچہ اس طریقہ کے ماتحت مسمر نے بعض مریضوں کا علاج بھی کیا، ان مریضوں میں ایک شخص اوسٹر لائن Oster line بھی تھا جو چار عصبی امراض میں مبتلا تھا، اسے قے، اغما، خبل، نیز ضیق النفس، کان کے درد، اور تسلسل

کی شکایت تھی، اور یہ تمام شکایتیں مسمر کے علاج کے بعد جاتی رہیں اور
وہ صحت مند ہو گیا،

مسمر کی کامیابیاں

مسمر کی شہرت اور ناموری کی داستان شہنشاہ فرانس پندرھویں لوئی
تک پہنچی، اس نے اسے پیرس میں طلب کیا، یہاں لوگوں نے اس کی بڑی
آؤ بھگت کی، راستہ چلنا تک اس کے لیے دشوار ہو گیا، لوگ اس کے نظریہ
کے قائل اور معترف ہوتے گئے، لیکن وہاں کے علما نے اس کے نظریہ کی شدید
مخالفت کی، کیونکہ وہ روح کی مادیت کے قائل تھے، لہٰذا وہ مسمر کے نظریہ کو
ذرا بھی اہمیت اور وزن دینے کے لیے تیار نہیں تھے، لیکن پیرس کے علما اور
فلاسفر کی رائے کے برعکس مسمر نے کامیابی کے ساتھ اپنے عقائد و خیالات
کو عملی طور پر ثابت کر دیا، اور اس طرح عوام میں اس کا زور اور وزن پہلے کے
مقابلہ میں بہت بڑھ گیا۔

ابی فاریا!

۱۸۱۴ء میں ایک پرتگالی راہب ابی فاریا Abbe Faria ہندوستان
سے پیرس آیا، اس نے تنوع کے ذریعہ اپنے طریق علاج کا مظاہرہ کیا، لوگ
اس کا کمال دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئے یہ شخص صرف ایک لفظ "دورمی"
Dormee یعنی "سوجا" دو مرتبہ کہہ کر آدمی پر نیند کی کیفیت طاری کر دیتا تھا،

لیکن باایں ہمہ ڈاکٹر مسمر کے مقابلہ میں یہ شہرت اور ہر دلعزیزی نہیں حاصل کر سکا،

ڈاکٹر برائڈ!

۱۸۴۱ء میں ڈاکٹر برائڈ Braid نے انگلستان میں اس بحث کا ایک نیا باب کھول دیا، یہ مانچسٹر کا ایک کامیاب ڈاکٹر تھا، ایک عرصہ کی تحقیق و تفتیش، تجربہ اور غور و فکر کے بعد یہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچا تھا، جس پر مسمر اور ابی فاریا پہنچے تھے، البتہ مسمر میں اور اس میں ایک فرق تھا، مسمر اپنے طریق علاج میں مقناطیس کے دو ٹکڑے ضرور استعمال کرتا تھا، اور برائڈ کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں تھی کہ طبیب مقناطیس کا استعمال بھی کرے، برائڈ کے نزدیک یہ کافی تھا کہ کسی بھی وسیلہ سے کام لے کر مریض کو سلا دیا جائے، برائڈ نے جو طریق ایجاد کیا تھا، اس کے عملیہ کو Hypnos یعنی نیند کے نام سے موسوم کرتے ہیں،

برائڈ نے اپنے طریقہ تنویم یعنی خواب آور عمل سے جن امراض کے مریضوں کو اچھا اور چنگا کیا وہ یہ تھے.

(۱) جنون،

(۲) فالج،

(۳) مرگی،

(۴) التہاب، عمود، فقری،

(۵) گونگاپن،

(۶) کوتاہی نظر،

(۷) بعض امراض قلب،

ڈاکٹر برائڈ نے طویل تجارب کے بعد ثابت کیا ہے کہ تنویم ایجاء کی کوئی قسم نہیں ہے، بلکہ وہ ایک الگ اور مستقل چیز ہے، جس کا ایجاء سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، نیز یہ کہ تنویم سے جسمانی اور عقلی امراض کا یکساں علاج کیا جا سکتا ہے،

ڈاکٹر شرکوٹ!

تنویم مقناطیسی اپنے اوج کمال پر ڈاکٹر شرکوٹ Charcot کے ہاتھوں پہنچی، یہ فرانس کا رہنے والا تھا، اس نے یہ ثابت کیا تھا کہ تنویم کا اثر اعصاب پر بہت گہرا پڑتا ہے وہ یہ بھی کہتا تھا کہ نیند بجائے خود ایک صرع کی سی کیفیت ہے، اور یہ ایک مادی حالت ہے، جو کسی جہت سے ناصیہ عقلی سے تعلق نہیں رکھتی۔

لیبولٹ اور بیرن ہائم!

اب لیبولٹ Liebeaulte کا اور بیرن ہائم Bernhiem کا دور آتا ہے، یہ دونوں فرانس کے رہنے والے تھے، اور یہ ایک عرصہ کے تجربہ و عمل کے بعد ڈاکٹر برائڈ کے عقائد اور نظریات سے متفق ہو گئے تھے

یہاں سے وہ دور شروع ہوتا ہے کہ تنویم کا طریق علاج ایک علمی فن بن گیا اور اس کی نفسیاتی اہمیت تسلیم کر لی گئی، یعنی دوسرے الفاظ میں یوں

سمجھئے کہ جس نے لوگوں کی توجہ ایجا ذاتی سے ایجا خارجی کی طرف منتقل کی، اس نے تصریح کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ انسان کے تمام امراض کا علاج کامیابی کے ساتھ ایجاء ذاتی یا ایجا خارجی سے کیا جا سکتا ہے!

دی بوا

اس کے بعد دی بوا De Bois کا دور آتا ہے یہ شخص سوئٹیزرلینڈ کا رہنے والا تھا اس نے نفسی علاج بہ طریق ایجا کے ساتھ تضریب اور تحریض کا اضافہ کیا، اس نے ڈاکٹروں کو تاکید کی کہ وہ علم النفس کو باقاعدہ ایک علم اور فن کی طرح پڑھیں اور غائر نگاہ سے اس کا مطالعہ کریں، اور جو کچھ اس سلسلہ میں پڑھیں سوچیں سمجھیں، حاصل کریں، اسے اثنا علاج میں اپنے مریضوں پر تطبیق دینے اور برتنے کی کوشش کریں تاکہ فن کی ترقی بھی ہو اور تجربہ کی بھی اور استیصال امراض کا نظام اور زیادہ مکمل ہو سکے،

ایمائیل کوئی!

عہد جدید میں فرانس کے اندر موسیو ایمائیل کوئی Emile Coue نے جو شہرت اور ناموری حاصل کی وہ دوسرا شخص نہ کر سکا، اس نے اپنے مسلک اور نظریہ کی تشہیر و تبلیغ میں بڑی جد و جہد اور جوش و خروش کا مظاہرہ کیا، اس نے بھی نہایت کامیابی کے ساتھ جنون، پاگل پن، ضیق النفس اور دوسرے امراض کا علاج کیا، یہ بھی ایجاء ذاتی اور خارجی کی تاثیر کا بہت زیادہ قائل اور معترف تھا،

علاجِ نفسی میں امریکہ کا حصّہ!

اب کچھ دیر کے لیے یورپ سے قطع نظر کر کے ہم امریکہ کی طرف بڑھتے ہیں اور یہاں ایک نئی دنیا آباد پاتے ہیں۔

علم مسیحی!

امریکہ میں ہم علاج کی جو رود دیکھتے ہیں، وہ "علم مسیحی" یعنی Christian Science کے نام سے موسوم ہے، یہ نام مسیحی علماء یعنی Christian Scientists کا دیا ہُوا ہے

وجہ تسمیہ!

سوال ہو سکتا ہے کہ طب اور علاج کے سلسلہ میں مسیحیت کا کیا ذکر؟ ہم اس کا جواب دینا چاہتے ہیں،

"عالم مسیحی" کی ترویج و تحریک اور نشو و نما کے سلسلہ میں مس ایڈی Eddy کا نام لینا ضروری ہے، اس شخصیت سے علم نفسیات اور علاج نفسی کو بہت فائدہ پہنچا، یہ سخت ترین اعصابی امراض میں گرفتار تھی، اس کی بیماری اور صحت بیک وقت "علم مسیحی" کی ایجاد، اور علاج نفسی کی تاریخ پر بڑی دلچسپ روشنی ڈالتی ہے،

یہ معمولی سی لڑکی، جو آگے چل کر مسیحیت کے ایک بڑے فرقہ کی سردار بننے والی تھی، ۱۸۲۱ء میں نیو ہامپشائر[1] میں پیدا ہوئی، جو امریکہ کا ایک مقام ہے، جسے اگر عجائب اور نوادرات کا شہر کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا، یہ اوائل عمر سے بلکہ صبح حیات طلوع ہونے کے دن سے عصبی مرض کا شکار ہوگئی اسے مرگی کی شکایت تھی، ارتخاء اعصاب کی بھی مریض تھی، یہ ہر وقت گم صم رہتی تھی، گویا نیند کا نشہ طاری ہے، اور یہ سونا چاہتی ہے،

یہاں تک کہ یہ ۳۵ برس کی ہوگئی!

اب حالت اور ناگفتہ بہ ہوگئی، جاڑے کے موسم میں ایک مرتبہ اس کا پاؤں پھسل گیا، یہ بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑی اور ایک نئے مرض Paraplegia کا شکار ہوگئی، وقت کے طبیبوں نے اس کے علاج میں بڑی سر مغزی کی، لیکن کامیابی نہیں ہوئی، یہ بدستور بستر علالت پر دراز رہی، کئی برس گزر گئے اور یہ برابر زندگی اور موت کی کشمکش میں گرفتار رہی۔

عجیب داستان

اب اس کی عمر ۴۱ برس کی تھی!

اور اس مرحلہ پر یہ ایک عجیب و غریب حادثہ سے دوچار ہوئی،

یہ حادثہ کیا تھا؟

ڈاکٹر کیمبی Quimby نے نفسیاتی بنیاد پر اس کا علاج کیا اور

---

[1] New Hampshire

کامیاب ہوگئے، اتنی تیزی سے اس کا مرض زائل ہوا کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا
یہی علاج ذہنی طریق علاج کی تحریک کے نشوونما کا سبب بنی، جس کا پرچم علمائے
مسیحیت نے اٹھایا اور بلند کر دیا۔

ڈاکٹر کوئمبی!

ڈاکٹر کوئمبی ایک معمولی گھڑی ساز تھا، لیکن بہت ذکی اور ذہین، اس کی قوت
ملاحظہ بہت تیز تھی، یہ تنویم مقناطیسی کے متعدد جلسوں میں جو شہر پورٹ لینڈ
میں ہوئے شریک ہوا، دیکھا دیکھی اور بغیر کسی استاد کی ہدایت کے یہ اس فن کی
مشق کرنے لگا، تنویم مقناطیسی کی مشق میں رفتہ رفتہ اس کا انہماک بہت بڑھ گیا،
کوئمبی نے تنویم کی ممارست کے دوران میں، نیز جلسات تنویمی میں شرکت
کر کے اور منوم کی نائم سے نصائح سننے سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مریض کے نفس
میں شفایابی کا احساس پیدا کر دینا ہی اصل مقصد ہے، صرف یہی کیفیت ہے
جو مریض کو بیماری سے تندرستی کی طرف محوخرام کرتی ہے، باقی دواؤں وغیرہ کا
اثر محض ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

طریق علاج میں تبدیلی!

اس نتیجہ پر پہنچنے اور اس رائے کے قائم کرنے کے بعد کوئمبی نے اپنے
طریقہ علاج میں تبدیلی کر دی، اب اس نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ سب سے پہلے وہ

Portland ط

مریض کے دل میں یہ احساس پیدا کرتا تھا کہ وہ اعتماد نفس سے محروم نہیں ہے سارا زور اس احساس کے پیدا کرنے پر صرف کر دیتا تھا، تاکہ مریض کے دل میں جو خوف اور ڈر مرض کے بارے میں پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو جائے اور اسے یقین ہو جائے کہ مرض دور ہو سکتا ہے، اور وہ صحت مند ہو سکتا ہے، اس مرحلہ کے طے ہونے کے بعد وہ نفسی علاج شروع کرتا تھا، یعنی وہی علاج بطریق ایجاد جس میں کوئی دوا قطعاً نہیں استعمال کی جاتی تھی،

مس ایڈی

مس ایڈی کے دل میں بھی اسی احساس نے بہت گہری جگہ بنالی، آخر ایک عرصہ کے غور و فکر کے بعد انہوں نے ڈاکٹر کویمبی کے ساتھ کام شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ یہ حیثیت حاصل کر لی کہ ڈاکٹر صاحب کی محرم اسرار بن گئیں، ڈاکٹر کویمبی نے نفسی علاج پر وقتاً فوقتاً جو چیزیں متفرق اور پراگندہ طور پر لکھی تھیں، مس ایڈی نے انہیں مرتب اور مدون کر کے ان کی باقاعدہ تدریس و تعلیم کا کام شروع کر دیا، اور جب کویمبی کا انتقال ہو گیا تو مس ایڈی نے موصوف کے ملفوظات کو از سر نو مرتب اور مدون کیا، اور ان کی تشریح و حاشیہ آرائی میں بھی خامہ فرسائی کی، اور اس طرح نفسی علاج کے فن کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

نفسی علاج میں مہارت

مس ایڈی نے نفسی علاج میں مہارت حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر کویمبی

کے نظریات کی تشریح و توضیح میں کافی وقت صرف کیا اور ان نظریات وخیالات
کی عمل سے تطبیق کو اپنے علاوہ دوسرے ماہرین فن کے لیے چھوڑ دیا، مس ایڈی
نے بہت محنت اور مصیبت کے بعد تین مقامات پر نفسی علاج کی تعلیم گاہیں قائم
کیں، پہلا مقام لین Lyn تھا دوسرا مقام ماس Mass اور تیسرا مقام
بوسٹن Boston تھا مس ایڈی کے شاگردوں نے اس کی کافی مدد کی، اپنے
علاج معالجہ کا معاوضہ بھی وہ لیتی تھی اور آمدنی پر اس کی گذر بسر ہوتی تھی، بوسٹن کے
طبی مدرسہ سے اسے بہت زیادہ مالی فائدہ ہوا۔ مریضوں کے علاج سے بھی اس کی
آمدنی بہت بڑھ گئی تھی، کتب اور مجلات بھی اس کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تھے،
مس ایڈی کے طریقہ علاج کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ صرف
"حاضر" کا علاج نہیں کرتی تھی بلکہ "غائب" کا بھی کرلیتی تھی، غائب کا علاج زیادہ تر
خط و کتابت کے ذریعہ ہوتا تھا،

مس ایڈی نے "علم مسیحی" کی بنا ڈالی اس کے طریقہ علاج میں یہ رجحان ہمیشہ
غالب رہتا تھا وہ جہاں مریض میں نشاط امید اور اعتماد نفس کی لہر پیدا کرتی تھی
وہاں ایمان ثابت کا تحفہ بھی دیتی تھی "فکر جدید" کی The New
Thought Movement تحریک بھی اس کی چلائی ہوئی تھی، یہ تحریک بھی
بہت زیادہ پھلی پھولی، مس ایڈی کی کتاب "علم اور صحت" Science and Health
بھی بہت مقبول ہوئی، یہ کتاب ۱۸۷۵ء میں طبع ہوئی پھر اس کے ایڈیشن پر ایڈیشن
چھپنے لگے، صرف اس ایک کتاب کے تقریباً سو ایڈیشن چھپے، اس سے اس کتاب
کی مقبولیت اور مس ایڈی کے طریقہ علاج کی اہمیت اور مرجعیت کا اچھی طرح اندازہ

ہو سکتا ہے مس ایڈی اپنی اس کتاب کے بارہ میں کہتی ہیں کہ اس میں جو کچھ ہے وہ صرف حق ہی حق ہے، اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور اس میں جو فلسفہ پیش کیا گیا ہے وہ انسان کا سوچا ہوا نہیں خدا کا پیدا کیا ہوا ہے، آگے چل کر انہوں نے کہا ہے "خدا کہتا گیا اور میں سنتی گئی"، دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہؤا کہ مس موصوفہ کو الہام ہوتا گیا اور وہ اسی الہام کو سپرد قلم کرتی گئیں گویا یہ کتاب آسمانی کتاب ہے۔

ایک نقاد نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا" یہ کتاب بڑی سنگلاخ ہے انسان کے لیے اس کا پڑھنا اور سمجھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، اس لیے کہ اس کا اسلوب بیان اتنا گنجلک اور پیچیدہ ہے اور اس میں مجازات اور استعارات کا اس کثرت سے استعمال کیا گیا ہے کہ الفاظ کے گورکھ دھندے سے نکل کر صحیح مفہوم تک رسائی حاصل کرنا ٹیڑھی کھیر بن گیا ہے"۔

کتاب کے خصوصیات

اس کتاب کا بہت بڑا حصّہ روحانی فلسفے کی تشریح وتعبیر پر صرف ہؤا، اگر ہم اس کے مفہوم کا خلاصہ کریں تو اس کے تین پہلو ہوں گے۔

(۱) اللہ سب کچھ ہے ہر چیز میں وہ موجود ہے، اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے وہ سراسر خیر ہے، خیر کے علاوہ کچھ نہیں،

(۲) اس دنیا میں جس چیز کو خیر کہتے ہیں وہ درحقیقت عقل ہے،

(۳) جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ اور روح سب کچھ ہی دو چیزیں ہیں اور ہر چیز

میں یہی دو چیزیں موجود ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مادّہ سرے سے ہے ہی نہیں

مس ایڈی کا یہ فلسفہ ایجابی کم ہے سلبی زیادہ ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے مدرسۂ فکر میں مادہ کو کوئی حیثیت حاصل نہیں، بلکہ صحیح تو یہ ہے اکہ ان کے نزدیک مادہ عدم محض ہے وہ اپنا کوئی وجود نہیں رکھتا، اسی لیے مس ایڈی نے تشریح و توضیح سے کام نہیں لیا بلکہ عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اُن کے دائرہ فکر میں مادّہ نامی کوئی چیز موجود ہی نہیں ؛

دوسری بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو مادہ کی طرح اپنا وجود مادّی طور پر نہیں رکھتیں لیکن اُن کے موجود ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا مثلاً گناہ، غربت بیماری یہ تمام چیزیں انسان کے احساس و شعور پر اثر انداز ہوتی ہیں مس ایڈی بھی ان کے وجود سے انکار نہیں کر سکتیں، یہ کُھلا ہوا راز ہے کہ یہ چیزیں انسان کے اعتقاد میں اپنا وجود رکھتی ہیں، اور یہ وجود برابر کیفیت اور حالت پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے،

چند خیالات

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ورم تکلیف کا سبب ہوتا ہے، لیکن یہ خیال سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے اس لیے کہ مادہ بغیر عقل کے تکلیف دہ ثابت نہیں ہو سکتا، لہٰذا صورت حال یہ ہوئی کہ ورم نتیجہ ہوتا ہے التہاب کا، اور وہ جسم کے کسی حصے کو ضخیم کر دیتا ہے یہاں سے الم کے وجود کا اعتقاد پیدا ہوتا ہے، اگر یہ اعتقاد کسی طرح نفس سے زائل ہو جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پھر الم کا پتہ نہیں چلے گا

اور انسان درد اور سوزش کی تکلیف سے نجات پا جائے گا، للذا ثابت ہُوا کہ وہ مادہ نہیں ہے کہ جو درد اور تکلیف کا سبب بنتا ہے، بلکہ جو چیز درد اور تکلیف کا احساس پیدا کرتی ہے وہ ہے مریض کی عقل،

دنیا نے موت کے بارے میں جو عام اعتقاد قائم کر رکھا ہے وہ نہ حقیقی ہے اور نہ کسی دلیل پر مبنی ہے جو کچھ صحیح ہے وہ یہ ہے کہ موت ایک بہت لمبا خواب ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، جو انسان کو عالم ظلمات میں پہنچا دیتا ہے، اور عالم نور میں مخفی کر دیتا ہے،

مس ایڈی کے اس مذہب کا حتمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر مرض کا علاج بے انتہا سہل ہے۔

تشخیص مرض۔؟

مس ایڈی کے نظریہ کے مطابق مرض کی تشخیص لا حاصل، بے نتیجہ اور غیر ضروری چیز ہے، اس لیے کہ ہر بیماری کا طریقہ علاج ایک ہی ہے، خواہ وہ بیماری کسی نوعیت کی ہو اور اس بیماری کے اسباب کچھ ہی ہوں۔ اس نظریہ کے مطابق تشریح جسم کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور نہ کسی قسم کی مادی دوائیں استعمال کرانے کا سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ دواؤں کے بارے میں وہ پہلے ہی اس نتیجہ پر پہنچ چکی ہیں کہ دوا کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی نہ اس سے کوئی فائدہ ہوتا ہے، نہ عقل سلیم اس کے فائدے کا ادراک کر سکتی ہے، اس نظریہ کے مطابق حصول صحت کے سلسلے میں جو احتیاطی تدبیریں کی جاتی ہیں اور جو احتیاطی پابندیاں

لگائی جاتی ہیں، وہ بھی قطعاً بیکار ہیں، مریض کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ جو چاہے کھائے جو چاہے پیئے، اگرچہ وہ بدہضمی کا مریض کیوں نہ ہو اس لیے کہ مس ایڈی کے نظریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ جس طرح انسان کا محافظ ہے اس کے معدے کا بھی محافظ ہے

اس مقصد کے ماتحت کہ مریض اور طبیب میں بیک وقت اعتماد نفس پیدا ہو سکے، ضروری ہے کہ ہم دونوں کے دل کی گہرائی میں یہ خیال پیوست کر دیں، کہ مرض کوئی وجود نہیں رکھتا، صحت موجود ہے اور موجود رہے گی، صحت ایک حقیقت ہے، اور مرض ایک وہم، بہت سے ڈاکٹر ایسے خیالات اور اوہام کو مریض سے دور رکھنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ انہیں ایسا کرنا چاہیے ہم جب بچوں کی تربیت کرتے ہیں تو اُن کے دل میں یہ بات بٹھا دیتے ہیں کہ دیو اور بھوت بے حقیقت چیز ہے، جب یہ بات اُن کے دل میں بیٹھ جاتی ہے تو نہ وہ ان سے ڈرتے ہیں۔ نہ ان کا وجود محسوس کرتے ہیں، نہ ان کے بارے میں فکر کرتے ہیں اور نہ ان سے انھیں کوئی نقصان پہنچتا ہے، اسی طرح کیوں نہ ہم وجود امراض کے بارے میں لوگوں کو اس خیال پر قائم کر دیں کہ یہ جو کچھ ہے محض واہمہ ہے، اسے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اگر ایسا کیا جائے تو کیا اس کی افادیت سے انکار کیا جا سکتا ہے؟

دوا اور خیال

مذکورہ حقائق کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ مادی دوائیں اور مادی طریقۂ علاج عدیم الفائدہ ہے، اس کی تائید نہ فکر سلیم کرتی ہے نہ عقل صحیح،

لہٰذا ضروری ہے کہ ان خرافات اور اوہام کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیا جائے اور ان کے بجائے لوگوں کے دلوں میں عقائد صحیحہ راسخ کئے جائیں، یعنی انھیں یہ باور کرایا جائے کہ انسان کے جسم پر جو چیز حکمران ہے وہ صرف عقل ہے اور عقل وہ قوت رکھتی ہے جو کوئی نہیں رکھتا۔ جب یہ عقیدہ راسخ ہو جائے گا اور اس حقیقت کو ہم اچھی طرح محسوس کر لیں گے تو بڑے سے بڑے مرض کا علاج چٹکی بجانے میں ہو سکتا ہے،

یہ ہیں وہ مبادی جو اس مدرسۂ فکر کے علماء کے قائم کئے ہوئے ہیں اور انھیں مبادیات پر انھوں نے اپنے دین و مذہب کی بڑی اونچی عمارت قائم کر لی ہے جس کی بنیاد بلند ہے اور ستون مضبوط اور اس عمارت میں داخل ہونے والے ہزاروں، لاکھوں انسان سرور و نشاط کی دولت سے مالامال ہوتے رہتے ہیں۔

اس نظریہ کے مطابق علاج میں دوا کو کوئی حیثیت حاصل نہیں، خیال صحیح، اعتماد نفس اور ملکۂ سلیم ہی سے تمام بیماریوں کا علاج کیا جا سکتا ہے، یہ چیزیں بہتر سے بہتر دواؤں کے مقابلے میں زود اثر اور کارگر ثابت ہو سکتی ہیں، ان کی نافعیت اور افادیت ایک ایسی حقیقت ہے نہ جس سے انکار کیا جا سکتا ہے اور جس کو چیلنج بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

نقد و تبصرہ

یہ مدرسۂ فکر اپنی تمام دلفریبیوں اور سحر طرازیوں کے باوجود تنقید کی زد سے نہ بچ سکا، نہ چشم زخم سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکا، ایک مشہور ڈاکٹر نے تبصرہ کرتے

ہوئے کہا:

"اس میں کوئی شک نہیں یہ" عالم ڈاکٹر"، جو کچھ کہتے ہیں اس کے مفہوم کو یہ خود بھی اچھی طرح نہیں سمجھتے، جو الفاظ ان کے منہ سے نکلتے ہیں جتنے وزنی وہ ہوتے ہیں مفہوم اتنا ہی ہلکا ہوتا ہے۔

خلاصۂ قول:

(۱) "علم مسیحی" کوئی فلسفیانہ مذہب نہیں بلکہ ایک طریقۂ علاج ہے اس کو روح سے اتنا تعلق نہیں جتنا جسم سے ہے

(۲) اس مذہب کی بانیہ مس ایڈی کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ مریض کے علاج اور اس کی شفا میں تفکیر کا اصول رائج کیا جائے۔

(۳) مس ایڈی کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ مریض کا اعتقاد اس کے مرض پر اثر انداز ہوتا ہے؛

اعتماد نفس

(۴) مس ایڈی نے ایک عرصہ کے غور و فکر کے بعد یہ عقیدہ بھی اپنا لیا تھا کہ اعتماد نفس کی روح بہت اہمیت رکھتی ہے، یہ شر کو دور کر دیتی ہے اور خیر کو پیدا کر دیتی ہے، لیکن اس خوشنما نظریہ پر عمل کے دوران میں اُنھیں بعض بڑے بڑے خطرات سے سابقہ پڑا، اور بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ ان خطرات کی اہمیت اور غلطیوں کی واقفیت وہ اُسی وقت محسوس کر سکیں جب انھیں پے در پے بہت سی ٹھوکریں ملیں، حالانکہ انھوں نے مقاومت کی پوری کوشش کی اور اس سلسلے میں

کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔

(۵) مس ایڈی نے ڈاکٹر کویمبی کے تجارب سے اپنے فکر و خیال کی بنیادوں کو استوار کیا، یہ وہی ڈاکٹر کویمبی ہیں جنھوں نے مس موصوفہ کا علاج کیا تھا اور انھیں مایوس کن اور ناقابل علاج مرض سے بھلا چنگا کردیا تھا مس ایڈی نے اپنے مرض کا بڑا حصہ ڈاکٹر کویمبی کے افکار و خیالات کی تشریح و توضیح اور نشر و اشاعت میں صرف کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا،

مرض کا وجود

"میرا یہ مستقل عقیدہ ہے کہ مرض اپنا کوئی وجود نہیں رکھتا، میری کوشش ہے کہ اُسے عالم حقیقت سے خارج کر دیا جائے، میرا یہ عقیدہ بھی ہے کہ مرض کے وجود کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ قطعاً غلط ہے وہ اپنا کوئی وجود نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ان بے معنی کہانیوں کی سی ہے جو پشتہا پشت سے لوگوں میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں اور جن کا چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی واقفیت اور حقیقت کی کسوٹی پر اگر کسا جائے تو بالکل غلط ثابت ہوگا۔"

یہ تھا ڈاکٹر کویمبی اور مس ایڈی کا مشترکہ خیال،

وجود سے انکار

(۶) ڈاکٹر کویمبی نے مرض کے وجود سے جو انکار کیا تھا اس کی بنیاد یہ تھی

کہ عقل مادّے کی ہر صورت پر مکمل اختیار اور اقتدار رکھتی ہے، لہٰذا مرض کا وجود ایک واہمہ سے زیادہ کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں رکھتا،

(۷) ڈاکٹر کوئمبی نے ایک ایسا مسلک اختیار کیا تھا جو فلسفی اور روحانی Idealistic تھا، اسی پر اس نظام فلسفی کی بنیاد پڑی جو بعد میں اس کے شاگردوں نے قائم کیا تھا:

ہم جو کچھ ڈاکٹر کوئمبی کے سلسلہ میں اضافہ کر سکتے ہیں وہ یہ کہ موصوف کے افکار و خیالات کا بڑا حصہ فرانس کے مشہور منوّمِ پوین Poyen کے معتقدات و خیالات سے ماخوذ تھا، پوین کا مسلک امریکہ میں پہنچانے والا شخص دلور تھا:۔

مذہب مقناطیسی

"عالم مسیحی" کے نام سے جس مذہب نے رواج پایا وہ درحقیقت اس مدرسۂ فکر سے ماخوذ تھا جسے ہم مذہب مقناطیسی کہتے ہیں اور جسے یہ علماء عقل باطن سے تعبیر کرتے ہیں، جس کی رو سے مریض اور طبیب کے مابین ایک خاص علاقہ قائم ہو جاتا ہے اور قوت ارادی ہی علاج کا اصل سبب قرار پائی ہے اور فکر و خیال کا انتقال طبیب سے مریض کی طرف ہوتا رہتا ہے:۔

علمائے مسیحی اور علمائے مقناطیسی کے مابین ردّ و قدح کا جو سلسلہ جاری ہوا وہ اس مضبوط علاقہ کو نہ توڑ سکا، جو ان دونوں کے افکار و خیال میں مشترک تھا، لہٰذا ان کے نزاع گھریلو جھگڑے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، حقیقت جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ امریکہ میں مذہب مسیحی کا رواج ماخوذ ہے، مذہب مقناطیسی یعنی تنویم مقناطیسی سے اور اس سلسلہ میں ڈاکٹر کوئمبی کا ذکر کرتے ہوئے پچھلے صفحات میں ہم بہت کچھ گفتگو کر چکے ہیں:۔

علاج جسمانی یا طبیعی

جسم و دماغ کا باہمی ربط و تعلّق

عین اس وقت جب علمائے مسیحی پکار پکار کر یہ صدا دے رہے تھے کہ مادّی دواؤں کا استعمال بالکل ترک کر دیا جائے اور مریضوں کا علاج صرف نفسی یا روحانی وسائل اختیار کر کے کیا جائے ہم ڈاکٹروں کا ایک دوسرا گروہ پاتے ہیں جو بالکل سمت مخالف کی طرف جا رہا ہے یہ لوگ عقلی اور جسمانی امراض کا علاج کیمیائی مواد جڑی بوٹی اور اُن نسخوں سے کرتے ہیں جن میں مادی دوائیں استعمال کی جاتی ہیں، اُن کا اعتقاد تھا کہ یہ دوائیں جسم پر بہت اچھی طرح اثر انداز ہوتی ہیں اور تمام بیماریوں کو مکمل طور پر شفا دیتی ہیں، ان دواؤں اور جڑی بوٹیوں کا اثر سب سے پہلے جسم پر ہوتا ہے پھر عقل پر اور اس کے بعد مرض بالکل دور ہو جاتا ہے۔

دلائل و تجارب

اِن لوگوں کے عقیدے کی بنیاد اس منطقی دلیل پر تھی کہ اضطرابات عقلیہ مختلف انواع کے ہوتے ہیں اور یہ اضطرابات سلوک انسانی کے سوا کچھ اور نہیں اور سلوک انسانی سے مراد وہ اعمال ہیں جو انسان سے سرزد ہوتے ہیں یا اس میں

جگہ پاتے ہیں، یہ عملیات کبھی تو منہ، زبان اور پہلو سے تعلق رکھتے ہیں اور کبھی باطن سے، للٰذا یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم اس کا اعتراف کرلیں کہ یہ خارجی عملیات جو شدت مرض کے دوران میں صادر ہوتے ہیں، عقلی مرض کی صورت میں نتیجہ ہوتے ہیں اطراف یا زبان یا لب کی حرکت کا، حالانکہ یہ مکمل طور پر عملیات باطن کے تابع ہوتے ہیں، جو جسم کے اندر خود بخود پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

سلوک خارجی میں جب کوئی خلل واقع ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ باطن میں بھی کوئی خلل ہے، مثلاً اگر کوئی دیوانہ شخص کسی جسمانی مرض میں مبتلا ہو تو اس کا سبب کچھ اور ہوتا ہے اور ظاہر ہے پہلے مرض کا سبب کچھ اور تھا، ایک چیز عقل سے یعنی باطن سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری چیز جسم ظاہر سے یہ عین ممکن ہے کہ ایک دیوانہ شخص جسمانی اعتبار سے بالکل صحیح اور تندرست ہو اور ایک تندرست و توانا شخص عقلی اعتبار سے بیمار اور ضعیف ہو، تنومند دیوانہ خارجی طور پر خوش منظر اور جمیل نظر آئے گا لیکن نشاطِ حیات سے محروم ہوگا اس لیے کہ دماغی اعتبار سے وہ بیمار ہے ؛؛

سچی بات یہ ہے کہ سلوکی مذہب والے لوگ صرف منطقی ہیں، ان کی رائے جس چیز پر مبنی ہے وہ وہی سلوکی نظریہ ہے، وہ امراض عقلی کا وہ مفہوم نہیں لیتے جو ہم لیتے ہیں وہ دماغی خلل کو بھی اپنے اسی نظریہ پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اُن کے نزدیک جسم وعقل کی تفریق بیکار ہے، وہ دونوں کا ایک ہی مبنیٰ قرار دیتے ہیں ؛؛

جسم اور عقل کا تعلق

دوسرے الفاظ میں اس مادہ مذہب کو ہم یوں بیان کرسکتے ہیں کہ یہ بات

ثابت ہے کہ جسم اور عقل ایک دوسرے سے اس طرح متصل اور پیوست ہیں کہ انھیں جدا نہیں کیا جا سکتا۔ صحت اور مرض دونوں حالتوں ہیں وہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی ثابت ہے کہ علمائے مسیحی امراض جسمانی کا علاج عقل کے واسطے سے کرتے ہیں، یعنی جسم کو متاثر کرنے کے لئے وہ عقل کو واسطہ بناتے ہیں۔ لہذا جب یہ بات ثابت ہو گئی تو اس کی برعکس صورت کیوں نہیں ہو سکتی۔ یعنی ہم امراض عقلی کا علاج جسم کے واسطہ سے کیوں نہیں کر سکتے۔

سچی بات یہ ہے کہ یہ دلیل بہت ہی وزنی ہے اور تجارب سے اس کی پوری پوری تائید ہوتی ہے، شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا کا تجربہ بھی مالیخولیا کے علاج کے سلسلہ میں جس کی تشریح پیچھے گزر چکی ہے یہی تھا، بلکہ ماننا پڑے گا کہ قدما کا یہ قول بالکل بجا اور درست تھا کہ عقل سلیم کے لیے جسم سلیم اور جسم سلیم کے لیے عقل سلیم ضروری اور لابدی ہے۔

یہ بات بھی ماننی پڑیگی کہ تمام جسمانی امراض خواہ اُن کی نوعیت کچھ بھی ہو اُن کا اچھا خاصا اثر حیات عقلی پر بھی پڑتا ہے اور عقل و دماغ اپنے فرائض و وظائف اس وقت تک صحیح انجام نہیں دے سکتے جب تک جسم مکمل طور پر توانا اور صحت ور نہ ہو!

تجربہ اور تحقیق

بہت سے ڈاکٹر یہ خیال کرتے ہیں کہ عقلی امراض اور جسمی امراض دو الگ اور جداگانہ چیزیں ہیں، لیکن یہ نکر نظر کی غلطی ہے، دونوں ایک دوسرے سے پورے طور پر مربوط ہیں اور انھیں کسی طرح بھی جدا نہیں کیا جا سکتا، یہ بات تجربہ اور تحقیق

سے ثابت ہو چکی ہے کہ جو لوگ عقلی امراض کے شکار ہوئے ہیں، وہ اضطراب ہضم اور سوء تغذیہ کے بھی مریض ہوتے ہیں، للذا یہ ثابت ہوا، کہ عقل اور جسم، بیماری اور صحت دونوں میں ایک دوسرے کے شریک و رفیق ہوتے ہیں،

یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ دورۂ دمویہ کی صورت میں نبض کی رفتار زیادہ ہو جاتی ہے خون کے ضغطہ میں تغیر ہو جاتا ہے، جسم کے مختلف اجزا میں درجۂ حرارت بدل جاتا ہے چنانچہ بعض جگہیں سُرخ ہو جاتی ہیں بعض زرد، اگر یہ مرض عقلی ہو اور پھر دورۂ دمویہ منتظم ہو جائے تو جسم کے تمام اجزا میں خون کی تقسیم صحیح ہونے لگتی ہے اور دماغی مرض کی شدت میں بہت زیادہ تخفیف ہونے لگتی ہے۔

عصبی امراض اور سمیّت

بہت سے ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اکثر عصبی امراض سمیّت باطنی کا نتیجہ ہوتے ہیں، اور یہ سمیّت معدے یا امعا کے اضطراب کا نتیجہ ہوتی ہے مریض کے وسائل علاج میں ضروری ہے کہ کسی طبی ذریعہ سے بھی سمیّت دور کی جائے، اس کے دور ہو جانے کے بعد معدہ بھی ٹھیک ہو جاتا ہے اور عصبی شکایت میں بھی بڑی حد تک تخفیف ہو جاتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ جسمانی امراض عقلی امراض سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور نہ یہ بات درست ہے کہ عقلی امراض کا جسمانی امراض سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا، صحیح اور مناسب مسلک یہی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے غیر معمولی ربط و تعلق رکھتے ہیں۔

نفسی علاج

بیسویں صدی عیسوی میں

نفسی علاج کے عروج وارتقا کا دور بیسویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے، اس زمانہ میں اس طریق علاج کے بڑے بڑے ماہر پیدا ہوئے اور انھوں نے اسے ایک منضبط، منظم اور مستحکم فن بنا دیا، اس طریق علاج کے پیشواؤں میں مارٹن برنس اور جانی اور بعد میں فرائڈ اور ایڈلر اور یونگ خاص طور پر قابل ذکر اور مستحق تذکرہ ہیں،

عقل باطن

فرائڈ اور اس کے ہم خیال اور ہم عصر حضرات کا خیال ہے کہ نواحی عقل میں ایک گوشہ ایسا بھی ہے جو انسانی شعور کی دسترس سے باہر ہے، اس گوشہ کو اصطلاح میں "عقل باطن" کہتے ہیں، یہی عقل باطن درحقیقت رغبات، نزعات اور افکار کا نشیمن ہوتی ہے۔ ان رغبات، رجحانات اور افکار کو نمود اور وجود میں لانے سے جو چیز مانع ہوتی ہے، اسے ہم تحروف اجتماعیہ کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔ (تحروف اجتماعیہ سے مراد سماج، ماحول، معاشرت وغیرہ کی پابندیاں ہیں (مترجم)!

تجارب سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ان رغبات اور رجحانات کو اگر دبایا

جائے یا ان کا گلا گھونٹا جائے اور انھیں عقل باطن کی گہرائیوں سے باہر نہ آنے دیا جائے، تو امراض عقلی پیدا ہونے لگتے ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ امراض عقلی کا سب سے بڑا سبب یہی حرکت ہے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا، رغبات اور رجحانات کو دبانے کا نتیجہ اگرایک طرف امراض عقلی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے، تو دوسری طرف بہت سے جسمانی اور عصبی امراض کا بھی یہی نتیجہ سبب بن جاتا ہے۔

تنویم مقناطیسی

بحث و فکر کے بعد فرائڈ وغیرہ نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تنویم مقناطیسی کے بعد مریض کی شفایابی اور ان امراض سے بریت ہوتی ہے اس بات کا کہ اس عمل کے بعد انسان کی عقل باطن میں چھپے ہوئے رغبات، رجحانات اور انفعالات قدیمہ جو غیابت عقل میں دبے اور گھٹے ہوئے تھے، عقل باطن سے، دائرہ شعور یعنی عقل ظاہر میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

انسان کے بہت سے مخاوف، محسوسات اور رغبات جو عقل باطن میں گھٹے اور دبے رہتے ہیں، یہ زیادہ تر عہد طفلی کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ان افکار اور محسوسات کو معلوم کر لینا اور انھیں عقل باطن سے عقل ظاہر کے گھروندے میں تحلیل نفسی کے ذریعہ لے آنا قطعاً ممکن ہے۔

بنیادی وسائل

اس کام کے تین بنیادی وسائل ہیں:

(۱) خیالات مطلقہ کا اظہار

(۲) خیالات مقیدہ کا اظہار

(۳) مریض کے خوابوں کی تعبیر اور توجیہہ، یہ خواب خواہ نیند کے عالم سے تعلق رکھتے ہوں یا بیداری کے عالم سے۔ نیز اس سلسلہ میں کچھ اور چیزیں بھی ہیں جن پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً یہ کہ انسان کس قسم کی باتیں کرتا ہے؟ کیسی باتیں لکھتا ہے؟ اس کا عام برتاؤ اور سلوک کیا اور کیسا ہوتا ہے؟

علاج نفسی میں تحلیل نفسی کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اب میں اس طریقے کے بعض پہلوؤں پر تفصیل سے بحث وگفتگو کروں گا،

تحلیل نفسی کے علم میں بیسوی صدی کے آغاز سے فرائڈ، اڈلر اور یونگ کی سربراہی میں بہت وسعت اور اہمیت حاصل کر لی ہے۔ ان لوگوں کو اس باب میں اولیت حاصل ہے کہ انہی نے جسمانی اور عقلی علاج میں نفسی مباحث کو دخل دیا اگرچہ نویں صدی عیسوی سے نفسی علاج مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہو چکا ہے لیکن اس کو جو عروج وفروغ علمی اور فنی حیثیت سے حاصل ہوا، وہ بیسویں صدی عیسوی سے پہلے کبھی نہ حاصل ہوا تھا،

اس تحریک کے دو اہم مقاصد ہیں، جو ایک دوسرے سے بالکل پیوست اور مربوط ہیں:

(۱) عقلی زندگی سے بحث نفسی بنیاد پر ہے نہ کہ جسمانی بنیاد پر،

(۲) نفسی علاج، عقل اور عملیات عقلیہ کے واسطے سے نہ کہ مادی اور خارجی وسائل سے۔

اضطرابات عقلی

اس تحریک کی رہنمائی کرنے والے بعض ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اضطرابات عقلی اور دوسرے عقلی ذہنی اور خلقی امراض کا تمام تر تعلق عقل سے ہے یعنی عادات تفکر یہ یا دوسرے الفاظ میں ضعف ارادہ یا اور زیادہ صاف الفاظ میں ایحاء کا قبول کرنا یا انفعال اور وجدان میں عدم توازن یہ سب باتیں عقل ہی سے تعلق رکھتی ہیں، اور اسی بنیاد پر یہ تحریک قائم ہوئی، بڑھی پھلی پھولی اور علاج نفسی کی دنیا میں اس نے اپنا ایک بڑا مقام حاصل کرلیا۔

اس تحریک کی تاریخ بہت گہرے طور پر علاج تنویمی کی تاریخ سے وابستہ ہے جس کا موجد مسمر تھا (۱۸۰۷ء) پھر اسی اصول پہ پیرس میں ایک مدرسہ شرکوٹ کی سربراہی میں قائم ہوا۔ اور ایک دوسرا مدرسہ شمالی فرانس کے مقام نانسی میں قائم ہوا۔ ان دونوں مدارس فکر میں تنویم مقناطیسی اور علاج نفسی کے سلسلے میں کچھ اختلافات بھی رونما ہوئے۔

یہ اختلافات رفتہ رفتہ بڑھتے گئے اور ایک زمانے میں تو انھوں نے بہت شدت اختیار کرلی، اسی اثنا میں امریکہ کے مقام بوسٹن میں مارٹن پرنس Morton Prinee (۱۸۵۴ء تا ۱۹۲۹ء) کی تحریک عالم وجود میں آئی، مارٹن پرنس نے تنویم مقناطیسی کو اپنے علاج اور معالجے کا مدار بنایا اور اس سلسلے میں بہت سے تجربے بھی کئے

ڈاکٹر جانٹ

پیرس میں ڈاکٹر پیر رجانٹ Dr Pierre Janat نے بھی بہت

اوج وعروج حاصل کیا یہ ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوا، اور جب میدانِ عمل میں آیا تو اس نے جس چیز کی تدریس وتعلیم پر زیادہ زور دیا وہ چیز تھی لاشعور یا عقل باطن، جانٹ نے اس سلسلے میں مختلف عمل کئے جن کا نام اب اصطلاحی طور پر اعمال عقلیہ آلیہ ہے۔ گذشتہ صدی کے آخر میں عصبی امراض کا علاج اس نے اسی طریقہ اور اصول پر کیا، ہسٹریا کے علاج میں اس نے شرکوٹ کے طریقہ علاج یعنی تنویم مقناطیسی سے کام لیا، اس نے اس چیز کا انکشاف بھی کیا کہ مریض کو نوم کے درمیان ایسے حوادث بھی یاد آجاتے ہیں جو اس کی ماضی کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور بیداری کے عالم میں انہیں یاد کرنا یا یاد رکھنا اس کے بس سے باہر رہتا ہے۔ انہی انفعالی اور جاو صدمات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ مریض اپنی گذشتہ زندگی کا قیاس کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، ڈاکٹر جانٹ نے اس بات کا انکشاف بھی کیا کہ یہ ممکن ہے کہ مریض کو جب سُلا دیا جائے اور وہ عمل تنویم کے ماتحت پورے طور پر آجائے تو یہ صدمات انفعالی اس کے مرض کے دور کرنے کا سبب بن جاتے ہیں اور پھر بعد میں اُن کا کوئی اثر باقی نہیں رہ جاتا، ہسٹریا کے امراض کو یہ صدمات کہ پورے طور پر دور کر دیتے ہیں۔

ضعف عقلی

ڈاکٹر جانٹ نے امراض عصبیہ کی دوسری شاخوں کا بھی پتہ چلایا ہے، مثلاً خوف، دہشت، نفسی اضطراب اور ان سب کے مجموعے

کا نام اس نے ضعف عقلی ر (PSYchoaspnenia) رکھا ہے، اس مرض کا علاج جس اصول پر وہ کرتا تھا اُسے اصطلاح میں تجدید تربیت Re-Education ہے، ڈاکٹر جانٹ کی رائے تھی کہ تمام عصبی امراض کی بنیاد یہ ہوتی ہے، کہ نشاط عقلی میں انحطاط اور زوال واقع ہو جاتا ہے، اور مریض زندگی کی دشواریوں، مشکلوں اور مصیبتوں میں اس بُری طرح گھر جاتا ہے کہ وہ اُن پر غالب بھی نہیں آ پاتا، اور چونکہ غالب نہیں آ پاتا اس لئے نشاط عقلی سے محروم ہو جاتا ہے اور نشاط عقلی سے محرومی، گوناگوں عصبی امراض کا سبب بن جاتا ہے۔

علم النفس اور علاج نفسی

ڈاکٹر جانٹ نے علم النفس اور علاج نفسی کے سلسلہ میں بہت سی نئی راہیں کھولیں، اس فن کے مختلف گوشوں کو اس نے اجاگر کیا اور اسے مرتب اور منظم کرنے میں غیر معمولی جدوجہد کا ثبوت دیا، لیکن فرائڈ کی بات ہی اور تھی فرائڈ سورج بن کر چمکا اور اس نے اس چاند کی روشنی ماند کر دی اور اس فن کو اتنی ترقی دی اور اس کا علمی پایہ اتنا اونچا کیا کہ بالاخر وہ اس فن کا امام اور پیشوا تسلیم کر لیا گیا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ واقعی مجتہد کا درجہ رکھتا تھا

فرائڈ

فرائڈ چیکوسلواکیہ کا باشندہ تھا، یہ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوا، اس کی زندگی کے ابتدائی سال ویانا میں گزرے، وہیں کی یونیورسٹی میں اس نے علم وظائف الاعضاء کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد اس نے ڈاکٹری کی طرف توجہ کی، اور اس فن میں بھی مہارت اور کمال حاصل کر لیا، عصبی امراض کے سلسلہ میں تحقیق اور کد و کاوش کا مادہ اس میں شروع ہی سے تھا، چنانچہ ان امراض کے علاج میں اس نے نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی، پھر جب اس کے کانوں میں شرکوٹ کا شہرہ پہنچا تو یہ پیرس پہنچا، اور کامل ایک سال شرکوٹ کی صحبت میں گزارا، اور اس سے جتنا استفادہ کر سکتا تھا کیا، مصنوعی خواب آور طریقہ علاج جس کا شرکوٹ ماہر تھا، فرائڈ کو بہت سمجھایا، شرکوٹ اس طریقہ سے صرف ہسٹریا کے امراض میں کام لیتا تھا، لیکن فرائڈ نے تحقیق و تکمیل کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ "اضطرابات عصبیہ کا بہت گہرا تعلق انسان کی جنسی زندگی سے ہوتا ہے، یہ بات اس شدت سے فرائڈ کے دل و دماغ پر محیط ہو چکی تھی کہ اس کا فن تمام تر جنسی اصول پر مبنی ہو کر رہ گیا۔

فرائڈ کی دشواریاں

پیرس سے فرائڈ پھر ویانا واپس آیا، اور یہاں اس نے تنویم صناعی مصنوعی

نیند پیدا کرنا) کے ذریعہ علاج و معالجہ اور اس فن کی تدریس و تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا، اس سلسلہ میں اسے خاص دشواریاں پیش آئیں، سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ بعض مریضوں کی قوت ارادی اتنی مضبوط ہوتی تھی کہ وہ عمل تنویم سے متاثر نہیں ہوتے تھے، اور کسی طرح نہیں سوتے تھے، اور جب تک ان پر نیند کا غلبہ نہ ہو جائے علاج کی ابتدا ناممکن تھی، چنانچہ اس دشواری کے حل کے لئے فرائڈ نے ایک مرتبہ پھر فرانس کا رُخ کیا اور نانس کے مدرسہ میں جو ماہرین فن موجود تھے ان سے استفادہ کیا، ان لوگوں کا دعویٰ تھا کہ طریق تنویم ہر صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے ممکن نہیں کہ مریض کو سلایا جائے اور وہ نہ سوئے، جب اس نے کالج کے بعض ارکان سے سنا کہ اس طریقہ کی کامیابی عام ذہنی، صحت گاہوں میں جانے والوں تک محدود ہے اور جو مریض خاص خاص مطبوں میں آتے ہیں انھیں کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا تو وہ سخت حیران ہوا۔

ڈاکٹر بریر

ویانا میں فرائڈ پھر واپس آگیا، اور اب پھر مریضوں پر اس نے مشق و تجربہ کا سلسلہ شروع کر دیا، اس مرتبہ پہلے کے مقابلہ میں کامیابی ہوئی لیکن اب بھی بہت زیادہ نہیں، بہر حال محدود تھی، یہ دیکھ کر اس کی تحقیق و جستجو میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا، اور آخر کار اس نے ایک عرصہ کے غور و فکر اور تحقیق و تامل کے بعد پہلے سے بھی ایک اچھا اور کامیاب طریقہ معلوم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی! اب فرائڈ کو ایک نئی شخصیت یعنی ڈاکٹر بریر سے سابقہ پڑا، یہ ویانا میں پریکٹس

کرتا تھا، اور درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا، فرائڈ نے اس سے جو کچھ حاصل کیا، وہ اس سے بہت زیادہ تھا، جو اس نے شرکوٹ یا نانسی کے مدرسہ سے حاصل کیا تھا

ڈاکٹر بریر بھی اسی فکر میں تھا کہ تنویم صناعی کے علاوہ کوئی دوسرا کامیاب طریقہ ایجاد کرے، جو امراض عصبی کے لیے تیر بہدف ثابت ہو، اور اس کی یہ تمنا پوری ہو گئی، جب عمل تنویم کے دوران میں ایک مریضہ نے اس کی اجازت سے نیند ہی نیند میں اپنی زندگی کی ساری داستان سنا ڈالی، اور ساتھ ہی ساتھ اپنی مشکلات انفعالیہ کا ذکر بھی کیا اور اس نے یہ بھی اقرار کیا کہ اس داستان کے سنانے کے بعد اسے اب آئندہ سے راحت محسوس ہو گی، یہ طریقہ رائج الوقت طرق کی کنجی ثابت ہوا، چنانچہ بریر نے اس کے بعد متعدد مجلسوں میں اس طریقہ کی پیروی کرنے کے بعد بیان کیا کہ نہ صرف وہ مریضہ بھلی چنگی ہو گئی، بلکہ دوسروں پر بھی یہ آزمایا گیا، اور کامیاب ہوا، اور مریضہ کی حیات عقلیہ تو بالکل اپنی اصلی حالت پر واپس آ گئی ۔

طریقۂ تنفیس

ڈاکٹر بریر اور فرائڈ نے محسوس کیا کہ یہ طریقہ تنویم مقناطیسی اور متابعت وجدانیہ سے ممزوج ہے اور متعدد اشخاص کے علاج میں یہ طریقہ آزمایا گیا اور کامیاب ہوا، چنانچہ ان دونوں نے اپنے نتائج بحث ۱۸۹۳ء سے ۱۸۹۵ء کے دوران میں خوب اچھی طرح نشر کئے جن کا لب لباب اور ماحصل یہ تھا کہ تنویم سے یہ بالکل ممکن ہے کہ اسے مریض کے گزرے ہوئے واقعات و

حوادثات کی یاد دہانی کے آلہ کے طور پر استعمال کیا جائے اور اس طرح مرض کی اصل علت اور سبب کا پتہ لگا لیا جائے، ڈاکٹر جانی کا طریقہ بھی درحقیقت فرائڈ اور بریر سے مماثلت اور مشابہت رکھتا تھا، اس جدید اور ممزوج طریقہ علاج کا نام تنظیف عقلیؒ یا طریقہ تنفیس٭ رکھا گیا۔

فرائڈ اور بریر کی علیحدگی!

کچھ عرصہ کے بعد فرائڈ اور بریر کے میدانِ عمل میں فرق ہو گیا۔ بریر نے یہ میدان چھوڑ دیا اور فرائڈ تن تنہا باقی رہ گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ فرائڈ کو اس راستہ میں جو صعوبات اور مشکلات پیش آئیں انہیں بریر برداشت نہ کر سکا فرائڈ ڈٹا رہا اور پامردی کے ساتھ مشکلات و موانع کا مقابلہ کرتا رہا۔

فرائڈ تنویم کے بارے میں یہ سمجھنے لگا تھا کہ یہ طریقہ بہت سست کام ہے، اس سے خوشگوار نتائج اگر حاصل ہوتے ہیں تو بہت دیر میں، للذا اس نے نفسی علاج کے سلسلہ میں ایک دوسرے طریقہ کے ایجاد و اختراع پر اپنی فکر و عمل کو مرکوز کر دیا!

تعبیر خواب

اس نے یہ سوچا کہ تنویم صناعی کے ذریعہ خود مریض سے جو قصہ کھل رہا ہے اور اس کی زندگی کے چھپے ہوئے بھید معلوم کئے جاتے ہیں، یہ دیر طلب قصہ

ؒ Abreaca Uon ٭ Mental Cathasis

ہے، کیوں نہ ایسی صورت اختیار کی جائے جو اس سے زیادہ زود اثر اور کامیاب ہو؟

آخر بڑی سوچ بچار کے بعد اس نے خواب کی تعبیر اور تحلیل کا طریقہ ایجاد کیا، چنانچہ اس باب میں اس کا نظریۂ خواب بہت مشہور ہے۔ اس نظریہ کی بنیاد اس پر تھی کہ عالم بیداری میں انسان اپنے بہت سے میلانات وجذبات کو چھپائے رکھتا ہے حتیٰ کہ خود اپنے آپ سے بھی، اور عالم خواب میں کھل کھیلتا ہے، دبے ہوئے اور رکے ہوئے جذبات وخیالات وجود کا لباس پہن لیتے ہیں۔ اور مرئی بن جاتے ہیں، جنھیں دیکھا جا سکتا ہے، چھوا جا سکتا ہے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

ایک اور طریقہ

صرف اسی نظریۂ خواب پر اس نے اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک دوسرا طریقہ بھی اس نے اپنے ذہن رسا کی مدد سے ایجاد کیا۔ وہ تھا مریض کی زبان وقلم اور کردار وعمل کی بے اختیارانہ لغزشیں اور غلطیاں، یا مزاح اور بے تکلفی کے سلسلہ میں مریض کے بے ساختہ اور غیر ارادی کلمات ان تمام وسائل سے اس نے مریض کی عقل باطن کی تفہیم وتربیت کا کام لیا، اس طرح مریض کے رغبات مدفونہ اور میلانات مکنونہ سے جو استخراج ہوتا تھا، اس کا نام اس نے رکھا "العقد النفسیہ" یعنی نفسی گرہ!

فرائڈ کا تفصیلی نظریہ

فرائڈ کا نظریہ یہ تھا کہ عقل کے تین درجے ہیں:

(۱) نفس سفلی، یا وہ خود،

(۲) نفس یا ذات، یعنی انا،

(۳) نفس علیا، یعنی ضمیر،

ذات کے فرائڈ نے تین درجے رکھے تھے۔

(۱) شعور

(۲) شبہ شعور (یا تحت الشعور)

(۳) لاشعور،

نفسِ سفلی یا نفس بدائیہ، یہ مشتمل ہوتا ہے فطری اور ابتدائی نزعات اور خواہشات پر، انسانی کردار کے لیے اس کی حیثیت مؤثرِ اول کی ہے، یہ نفسِ قانون کی پیروی اور تقلید کی تابعیت سے بے نیاز ہوتا ہے، یہ نفس لذت اور الم کا مبدا ہوتا ہے، یعنی یہ نفس انفرادی خواہشوں کو راضی کرنے، لذت حاصل کرنے اور تکلیف سے بچنے پر اکساتا ہے۔

اب ذات یا نفس اجتماعی کی باری آتی ہے، اس کی تکوین نتیجہ ہوئی ہے ماحول، یا خارجی دنیا سے نفس سفلی کے امتزاج کا، یہی وہ لفظ ہے جو "انا" کی نمائندگی کرتا ہے، انسان جب کہتا ہے "میں"، تو اس سے مراد یہی نفس ہوتا ہے، یہ واقعہ اور حقیقت سے متاثر ہوتا ہے یعنی قانون، رواج اور اجتماعی تنظیم کی اس پر حکومت ہوتی ہے۔

اس ذات کے تین درجے ہیں؛

(۱) شعور:

یہ اُن خیالوں اور خواہشوں پر مشتمل ہوتا ہے جو انسان کو معلوم ہوتی ہیں، اور جن میں ہر وقت وہ اپنے تئیں گھرا اور محصور پاتا ہے،

(۲) شبہ شعور یا تحت الشعور

یہ اُن افکار اور مرغوبات پر مشتمل ہے، جو اس کے نفس کو مشغول تو نہیں رکھتے لیکن معافی کے اقتضا یعنی حالات کی تبدیلی اور ان کے الٹ پھیر کے ساتھ ساتھ انسان کے ذہن و تصور میں دبے رہتے ہیں، ان میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وقت مناسب پر انسان کے احاطہ شعور میں داخل ہو جاتی ہیں۔

(۳) لاشعور، یا عقل باطن:

یہ ان رغبتوں اور خواہشوں پر مشتمل ہے، جو نفس کی گہرائی میں دفینہ کی طرح مدفون رہتی ہیں۔ پامال شدہ نفسی اُلجھن اور ماضی کی وہ یاد اس میں شامل ہے، جو شعور سے علیحدہ ہو کر لاشعور میں آئے اور عقل باطن کی سرحد میں پناہ گزین ہونے پر مجبور رہوتی ہے، یہ وہ خواہشیں اور تمنائیں ہوتی ہیں جو سماج کے اصول مجلس کے آداب، اجتماعی نظم و ضبط کے ماحول سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رکھتیں آج انھیں ایسے دور دراز گوشے میں جسے لاشعور یا عقل باطن کہتے ہیں، پناہ لینی پڑتی ہے۔

اہم تشریحات

عقل باطن کی تکوین نتیجہ ہوتی ہے نفس سفلی اور عالم حقیقت کے درمیان کشمکش اور تصادم کا، اس کے معنی یہ ہیں کہ فرائڈ کی رائے میں جو شخصی خواہشیں جنسی میلانات کے گرد جمع ہو جاتی ہیں انسان ان کا توشہ ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے، لیکن چونکہ یہ

خواہشیں ماحول اور اجتماعی رسوم کے اقتضا سے نہیں پوری ہوتیں، اس لیے مغلوب و مفلوج حالت میں باقی رہتی ہیں، ظاہر نہیں ہوتیں، پھر جیسا جیسا زمانہ گزرتا جاتا ہے ان میں دوسری پوری نہ ہونے والی ناقص اور ناتمام خواہشیں ختم ہوتی جاتی ہیں، اس طرح عقل باطن کے اندر گتھیاں پیدا ہو جاتی ہیں ناکام خواہشوں کے مجموعے ان گتھیوں میں برابر اضافہ کرتے رہتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کے اندر سے ایسی رغبتیں پیدا ہوتی اور انفعالات تشکیل پاتے ہیں جو کسی معیّن شخص سے قریب اور مشابہ ہوتے ہیں، یہ سب ایسی لاشعور کی تاریکیوں میں چھپے رہتے ہیں، البتہ انھیں اس کا انتظار رہتا ہے کہ کب موقع پائیں اور کب اس قید خانے کے دروازے توڑ کر عالم راز سے عالم نمود میں پہنچ جائیں، لیکن یہ بات ممکن نہیں ہوتی اس لیے کہ ایک ایسا پاسبان موجود ہوتا ہے جو فرار اور خروج سے مانع آتا ہے، یہ پاسبان وہی قانون اجتماعی ہے جو انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے ماحول اور گرد و پیش کی دنیا سے باہر نہ نکلے وہیں رہے ؛

مزاحمت اور مقابلہ

جب یہ خواہشیں زیادہ قوی ہو جاتی ہیں اور اپنے لیے کوئی نکاس نہیں پاتیں تو پاسبان پر غلبہ پاکر زبردستی اس کی قید سے نکل بھاگتی ہیں، زنجیروں اور بندشوں کو توڑ کر ہر اُس چیز کو جو راہ میں حائل ہو پاش پاش کر دیتی ہیں۔

ایسی حالت میں آدمی پر جنون کے اثرات غالب آجاتے ہیں یا عصبی

بیماریاں قابو پا لیتی ہیں۔ اور خلل دماغ میں مبتلا ہو کر وہ عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگتا ہے، لیکن اگر ان خواہشوں کے بر آنے کی کوئی راہ نکل آئے، خواہ پاسبان عقل سے حیلہ جوئیوں ہی کے ذریعہ وہ راہ کیوں نہ نکلی ہو تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ عقل ظاہر سے متصل ہو کر عیش و آرام اور ہم آہنگی کے لمحات بسر کئے جا سکیں۔

پاسبان کے خلاف خواہشوں کی حیلہ سازی بڑی سخت ہوتی ہے اور جب پاسبان کمزور ہو یا وقتی طور پر پاسبانی سے غفلت برتے بالفاظ دیگر جس وقت عقل یا بیداری کا دباؤ کم ہو جائے جیسا کہ نیند، تنویم اور مرض کی حالت میں ہوتا ہے تو حیلہ گری کامیاب ہو جاتی ہے، اس وقت یہ خواہشیں دوسرا لباس اختیار کر لیتی ہیں پاسبان کے سامنے بھیس بدل کر آتی ہیں، اور اپنی شخصیتوں کو چھوڑ کر دوسری شخصیتیں بن جاتی ہیں، پھر عقل بیدار کے سامنے دوسری وضع میں آتی ہیں جیسا کہ احلام رمزیہ (رمزی خواب)، خلل دماغ، وہم اور شخصیت کے انقسام کی صورت میں ہوا کرتا ہے کبھی یہ خواہشیں غیر متغیر طور پر ظاہر ہوتی ہیں، جیسا کہ تنویم مقناطیسی کے دوران میں ہوتا ہے، پھر کبھی شعور میں لاشعور کے آثار نسیان، زبان اور قلم کی لغزشوں انوکھے کاموں، اجتماعی افواہوں، تاریکی سے دہشت اور چھوٹے چھوٹے حیوانوں سے خوف کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔

ضمیر اعلیٰ کی شان

ضمیر ذات سے پیدا ہوتا ہے، یعنی ذات ہی کی ایک جہت ترقی کرتے کرتے اعلیٰ شان سے متصل ہو جاتی ہے اور اسے دوسری جہتوں پر تسلط حاصل ہو جاتا ہے

نفس اعلیٰ کی تکوین، بچے کے اس اتصال سے ہوتی ہے جو وہ اپنے والدین سے پیدا کرتا ہے، بچہ انہیں مقدس سمجھتا ہے، اور ان کے گفتار و کردار کو اپنے لیے ایک اعلیٰ مثال تصور کرتا ہے، ایسی مثال جو اعلیٰ بھی ہے اور قابل تقلید بھی، پھر یہ نفسی ارتقا کے مدارج طے کرتا ہے اور روحانی و خلقی تہذیب اور تعلم کی بدولت سربلندی حاصل کرتا ہے۔

نفسی جبلّت

فرائڈ کی رائے میں جنسی جبلت ہی وہ جبلّت ہے جو انسان کی زندگی میں بڑا اثر رکھتی ہے، وہ جب سے پیدا ہوتا ہے یہ اثر اس کے اطوار اور چال ڈھال میں نمایاں ہونے لگتا ہے، اگر اسے چھپایا اور دبایا جائے تو یہ حرکت جسمانی امراض نفسانی اغراض اور اجتماعی انوکھے پن کا سبب بن جاتی ہے۔

اس جبلّت کے متعدد مظاہر ہیں جو انسان کے مراحل نشو ونما کے اختلاف کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں مثلاً بچہ زندگی کے پہلے سال میں چیزوں کے چوسنے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ دوسرے سال جسم کے اعضا کو چوسنے اور ان سے کھیلنے کی جانب متوجہ ہوتا ہے، تیسرے سال اس کی توجہ ان عضلات کی طرف ہوتی ہے جو جسم سے نکلتے ہیں، چوتھے اور پانچویں سال والدین کی طرف ملتفت ہوتا ہے، اس مرحلے میں اگر وہ لڑکا ہے تو ماں سے زیادہ محبت کرتا ہے اور لڑکی ہے تو باپ سے زیادہ محبت کرے گی، یہی وہ زمانہ ہے، جب بالکل مخفی اور غیر محسوس طور پر لڑکے کے جنسی میلانات ماں کی طرف اور لڑکی کے باپ کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

فرائڈ اور اڈلر

نظریات اور افکار کا تصادم

۱۹۱۲ء کے لگ بھگ فرائڈ کے مدرسۂ خیال میں تفریق پیدا ہو گئی، اختلاف فکر و نظر نے اتنی سنگین اور نازک صورت اختیار کر لی کہ بعض ارکان فرائڈ کے مدرسۂ فکر سے الگ ہو گئے، جن لوگوں نے فرائڈ کا ساتھ چھوڑا اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی ان میں سب سے زیادہ شہرت اڈلر اور ینگ کو حاصل ہوئی۔

وجہ اختلاف

الفریڈ اڈلر وائنا کا باشندہ تھا، ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوا۔ یہ فرائڈ کا بہت قائل اور مداح تھا، اس لیے اس کے مقلدین اور پیروؤں میں شامل ہو گیا، لیکن یہ اتحاد خیال ۱۹۱۲ء میں ختم ہو گیا، اب فرائڈ اور اڈلر دو الگ الگ نقطہ ہائے نظر کے حامل تھے، جنسی جبلّت اور اس سے پیدا ہونے والی وہ رغبت جسے فرائڈ نے لبیڈو[1] کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اڈلر کے صریحی اور واضح اختلاف کا موضوع بن گئی، اب اڈلر نے ایک نئے مکتب خیال کی بنیاد رکھی، جس کا نام اس نے

---

[1] Libido

"انفرادی مدرسہ[1] علم النفسی" رکھا۔

نقصان کا شعور

اڈلر کا مکتب خیال اس رائے پر قائم ہے کہ کمی یا نقصان کا شعور ہی تمام عصبی و ذہنی اور عقلی علتوں کا سبب ہے یہ شعور کسی شخص میں بھی پایا جائے۔ غیر مرغوب ہوتا ہے اور اسے برداشت کرنا ناممکن ہو جاتا ہے، کیونکہ غلبہ کی محبت اور ظہور کی رغبت ہر فرد انسانی کی فطرت میں ودیعت ہے، اس لیے نقصان کے شعور سے رہائی پانا ضروری ہے، خواہ خودکشی کے ذریعہ ہو یا رفعت و عظمت کے ادعا سے یا کسی ایسے عمل سے جو اس شخص کو دوسروں کی نظر میں بلند کر دے تاکہ وہ اپنے نفس میں جو نقصان محسوس کرتا ہے اس کی تلافی ہو جائے

بعض اوقات یہ صورت زندگی میں کامیابی یا اس کے کسی پہلو میں ندرت وکمال کا سبب بن جاتی ہے۔ اور کبھی ناکامی و نامرادی کا سبب بن جاتی ہے کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس کی مخصوص زندگی، حالات اور تربیت کے اسلوب و منہاج پر ہوتا ہے۔

اس بنا پر نفس یا جذبہ ظہور کی جبلّت ہی ایک فرد کی زندگی میں اعلیٰ درجہ کی اہمیت رکھتی ہے، رہی جنسیت کی جبلّت تو اگرچہ اس کا اثر بھی انسان کے اطوار کا رُخ متعین کرنے میں ناقابل انکار ہے، لیکن اگر جذبہ ظہور کے درجے پر قیاس کیا جائے تو اس کی حیثیت کمتر ہو جاتی ہے، کیونکہ ظہور و نمود کا جذبہ اگر

---

[1] INDIVIDUAL PSYCHOLOGY

طبعی مدارج طے کرتا رہے تو کامیابی اور کمال کا مصدر بن جاتا ہے اور اگر اپنے طبعی راستے سے منحرف ہو جائے اور حصول مقاصد میں ناکام رہے، تو ناکامی و نامرادی اور عجیب و غریب اطوار کا سبب بن جاتی ہے۔

اڈلر کا اصول

اڈلر کے خیالات اور اوہام کو نفس کی اس رغبت کی طرف منسوب کرتا جو اس میں نقصان کی اذیت سے رہائی پانے کے لیے پائی جاتی ہے، وہ انہی اوہام کے ذریعہ ہوائی قلعے بناتا رہتا ہے، اپنے آپ کو ہیروں اور بہادروں میں شامل کرتا ہے، اور اپنی ذات سے احساس عجز کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔

فرد میں زندگی کی صعوبتوں پر غلبہ پانے، جاہ و منصب کے حاصل کرنے اور ترقی پذیر اجتماعی مناصب سے بہرہ ور ہونے کی جو طلب پائی جاتی ہے وہ بھی اس احساس کی طرف رجوع ہوتی ہے۔

لیکن فرد بچپن سے زندگی کے جس اسلوب سے مانوس آیا ہے بعض اوقات وہی اسلوب اس کے اور اس کی خواہشوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے سے عاجز کر دیتا ہے، یہ وہ موقع ہوتا ہے جب نفس ایک کشمکش اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں اضطراب عصبی اور امراض عقلی و ذہنی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، یا پھر انسان زندگی میں نئی اور انوکھی راہیں اختیار کرنے لگتا ہے۔

اڈلر کا نظریہ

اڈلر کی یہ رائے ہے کہ ہر فرد ایک ایسے ڈھنگ یا اسلوب کی پیروی پر نشو و نما پاتا ہے جو اس کے عہد طفلی سے چال ڈھال اور طرز فکر میں معین ہو چکتا ہے، اس کا قول ہے کہ جو عوامل اس اسلوب کی تکوین کے لیے کارفرما ہوتے ہیں، وہ امور ذیل پر مشتمل ہوتے ہیں:

(۱) بچے کے ساتھ خاندان والوں کا برتاؤ:

(۲) خاندان میں بچے کا درجہ مثلاً اکلوتا ہے یا دوسرے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹا یا سب سے بڑا۔

(۳) خاندان کا اجتماعی و معاشی درجہ، (۴) بچے کی جنس — یعنی لڑکا ہے یا لڑکی

فرد اپنے بچپن ہی سے جس اسلوب زندگی سے مانوس ہوتا ہے وہ قریب قریب زندگی بھر اس کے ساتھ رہتا ہے، اسی اسلوب کی جھلک فرد کے مزاج میں اس کی ذات میں اور دنیا سے متعلق اس کے نقطۂ نظر میں، اس کے ماحول میں، برابر اور مسلسل نظر آتی ہے، یہی اسلوب زندگی میں اس کی امیدوں اور تمناؤں کی تخلیق و تجدید کرتا ہے، اور مشکلات کے مقابلہ میں اسے ایک خاص مسلک پر چلاتا ہے خصوصاً اجتماعی زندگی کی مشکلات، ملازمت یا پیشہ، یا ازدواجی زندگی کی مشکلات کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں،

اسلوبِ حیات کی اہمیت

انہی وجوہ سے اڈلر نے یہ رائے قائم کی ہے کہ طبیب کو کسی عقلی مریض کے

حالات پر غور کرنے اور اس کی نفسی تحلیل کرنے میں جس بنیادی غرض کو پیش نظر رکھنا چاہیے، وہ یہ کہ وہ اس کے اسلوب حیات کا پتہ لگائے، اور اس خاص چیز کا کھوج لگائے جسے وہ بچپن میں اور اب تک اپنی شخصیت کے ثبوت اور نقصان کے احساس سے نجات پانے کے لیے اپنا مطمح نظر بنائے رہا ہے

جس شخص میں یہ حالات پائے جاتے ہوں اگر خاندان میں اس کا درجہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ جن چیزوں یا جس قسم کے لوگوں سے محبت یا نفرت کرتا ہے ان کا پتہ لگایا جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ وہ تاریخ روایات کے کن ابطال یا ہیروں کا احترام کرتا ہے اور بچپن میں کس نوعیت کے پیشے کی طرف مائل تھا اور اب کس پیشے کی طرف اس کا رجحان ہے، ٹھہرنے چلتے، بیٹھنے اور ہاتھوں سے سلام کرنے میں اس کی کیا وضع ہوتی ہے، اور سوتے وقت کس ہیئت پر قرار پاتا ہے تو مذکورہ بالا دونوں باتوں یعنی اسلوب زندگی، اور بچپن کے مطمح نظر کا بخوبی علم ہو سکتا ہے

چند علامتیں

اڈلر نے یہ رائے قائم کی کہ دونوں پاؤں پھیلا کر سونا عظمت کی رغبت پر دلیل ہے، انھیں موڑ کر اور دونوں رانوں کو پیٹ سے لگا کر سونا اور سر کو سوتے میں ڈھانپے رہنا گمنامی اور عظمت کی طرف سے بے رغبتی کی نشانی ہے۔ اسی طرح پیٹ کے بل یا اوندھے ہو کر سونا دشمنی وعناد اور مخالفانہ طرز عمل پر دلالت کرتا ہے

اڈلر نے خوابوں کی تعبیر کو مریض کے طرز زندگی معلوم کرنے کا اچھا وسیلہ

قرار دیا ہے، وہ اس خیال سے انکار کرتا ہے کہ خواب پامال شدہ توقعات معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں، جیسا کہ فرائڈ کا قول ہے۔

خواب کی تعبیر

اڈلر کے نزدیک خواب ماضی کے بہ نسبت مستقبل سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں، اس کی رائے میں خواب اکثر ان اہم اعمال کی مثالی صورت ہیں، جنہیں یہ شخص زمانہ آئندہ میں عنقریب انجام دینے والا ہے،

مثلاً جو شخص کسی تردد میں مبتلا ہے، شادی کے مسئلہ میں پس و پیش کا شکار ہے، خواب دیکھتا ہے کہ وہ دو ملکوں کا درمیانی فاصلہ طے کرنے کی کوشش کر رہا ہے مگر اسی حالت میں اسے حکم دیا جاتا ہے کہ ٹھہر جائیے، ورنہ قید کی سزا بھگتنے کے لیے تیار رہیے یہ خواب مستقبل کے ان مشکلات سے متعلق ہے، جن کا ہنوز تصفیہ نہیں ہوا ہے، یعنی دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے اس خواب کا تعلق شادی کی الجھن سے ہے، خواب سے اس مسلک کا اظہار ہوتا ہے جو خواب دیکھنے والے نے اس مسئلہ کے حل کے لیے اختیار کیا ہے، وہ اس مسلک کا عادی ہے، اور اپنے بچپن سے یہی خیال لے کر بڑا ہوا ہے۔ اس طرح یہ مسلک اس کا اسلوب زندگی بن گیا ہے،

مرض اور علاج

جس ناہموار برتاؤ میں تعلق اور تاخیر کا سررشتہ ماحول کے درمیان سے

منقطع ہو گیا ہو، اس کے علاج میں طبیب کا فرض ہے کہ وہ مریض کو بذاتِ خود دیکھے اور اسے نرمی و ملاطفت کے ساتھ اس بات پر آمادہ کرے کہ جو گتھی اس کے دل میں پوشیدہ ہے اس کے موجود ہونے کی تصدیق کرے، اور اس گتھی کو چھپاتے اور اس کے حل کرنے کے سلسلہ میں رفعت اور سربلندی کے زینہ تک پہنچنے کے لیے جس مسلک پر کاربند رہا ہے اسے بیان کر دے۔

اگرچہ طفولیت کا عہد گزر جانے کے بعد کسی فرد کے اسلوب یا مسلک حیات کو بدل دینا ممکن نہیں، لیکن عمدگی کے ساتھ اس کا رُخ اس طرح پھیر دینا ضرور امکان میں ہے کہ حقیقت سے بہت قریب اور اجتماعی زندگی، اور ماحول سے بہت زیادہ موافق اور ہم آہنگ ہو جائے!

عقل باطن کو فرائڈ کی رائے میں جو بلند مرتبہ حاصل ہے، اڈلر کی رائے میں اس کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں، اس کے اور عقل ظاہر کے درمیان موانع نہیں ہیں، جو فرائڈ کے تصور میں ہیں، اس کے نزدیک انسان بچپن کے ابتدائی دور سے جس اسلوب حیات پر پروان چڑھتا ہے وہ جب تک غیر مفہوم رہے یا اس کا سبب معلوم نہ ہو، اس وقت تک وہ نفس میں ایک پردہ کی آڑ میں چھپا رہتا ہے، جب وہ سمجھ میں آ جائے یا اس کا سبب اور منشا معلوم ہو جائے، تو وہ شعوری ہو جاتا ہے، ماہر تحلیل نفسی کا فرض تقریباً اسی دائرہ میں محصور ہے کہ وہ اس مسلک کو لاشعور سے شعور میں منتقل کر دے، اور اسے شئے مفہوم کا درجہ دے دے، یعنی مریض اس کے سبب اور منشا سے واقف ہو جائے۔

نفسیاتی مبادیات

وڈورتھ نے اڈلر کی نفسیاتی مبادیات اور اس کے نفسیاتی طریق علاج کے بارے میں اپنی رائے کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے خود ہی ایک مقام پر لکھا ہے

"آدمی کو یہ اقرار کر لینا چاہیئے کہ اڈلر کا نظریہ فرائڈ کے نظریہ سے زیادہ آسان اور عام فہم ہے، اڈلر کا نظریہ اس حیثیت سے زیادہ سہل ہے کہ بڑی آسانی کے ساتھ وہ عقل و فہم کے لیے قابل قبول بن جاتا ہے اور اس کی تطبیق ذرا بھی دشوار نہیں رہتی،

اڈلر کی رائے بڑی قیمتی اور اہم ہے، خصوصاً بچوں کو پیش آنے والی مشکلات میں مدد دینے سے متعلق اس کے خیالات جتنے بیش قیمت ہیں وہ اس کی عظمت کے شاہد ہیں، اسی لیے اڈلر کا مذہب فکر تربیت کے میدان میں زیادہ کارگر، زیادہ مفید اور کہیں زیادہ مؤثر ہے"[1]

---

[1] Contemporary Schools of Psychology by Woodworth, P. 178

فرائڈ اور ینگ

اختلاف فکر ونظر کا دوسرا مرحلہ

ینگ زورچ (سوئٹزرلینڈ) میں پیدا ہوا، اس کی ولادت ۱۸۷۵ء میں ہوئی تھی، اسے تحلیل نفسی کے فن سے بڑا شغف تھا، بڑی محنت اور توجہ سے اس نے یہ علم حاصل کیا، کئی برس کی مشق ومزاولت اور تحقیق ومطالعہ کے بعد اس نے فرائڈ سے ربط ضبط بڑھایا، خط وکتابت کا سلسلہ شروع کیا، بعض علمی تقریبوں میں شرکت کے سلسلہ میں دونوں میں ملاقات ہوئی، ینگ پہلے سے زیادہ گرویدہ ہو گیا اور زانوئے شاگردی تہ کر کے فرائڈ کے سامنے بیٹھ گیا۔

فرائڈ کو ینگ کیا ملا، ایک نعمت مل گئی، وہ ینگ کی ذہانت اور مہارت و اہلیت سے بہت خوش تھا، آخرکار اس نے اپنے اس ہونہار اور ذہین شاگرد ـــــ ینگ ـــــ کو تحلیل نفسی کی سرکاری انجمن کا صدر بنا دیا،

اختلاف کا آغاز

فرائڈ نے اپنے شاگرد کی جو قدر شناسی کی تھی وہ شاگرد کو استاد کی مخالفت سے نہ روک سکی، وہ یہ رائے قائم کرنے سے باز نہ رہا کہ فرائڈ کا مذہب فکر

ہنوز خام اور ناقص ہے۔

نفسیاتی مباحث میں ایک نیا اور حیرت انگیز انقلاب برپا کر دینے کے باوجود اب تک اس کے مذہب فکر کو پختگی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

ینگ نے استاد کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے بعد نفسیات میں ایک خاص مکتب خیال کی تشکیل کی، اب وہ متعدد مقامات پر استاد سے اختلاف پر آمادہ ہو گیا، استاد اور شاگرد کے مابین اختلاف نے جو شدت اختیار کی، وہ دو باتوں کے باعث :

(۱) زندگی میں لبیڈو[۵] کا اثر :

لبیدو جنسی جبلت سے متعلق ایک انفعال کا نام ہے،

(۲) امراض عصبی و عقلی کے اسباب،

نفسی گتھی

فرائڈ کی رائے میں عصبی امراض کا سبب وہ گتھی ہے جو عہد طفولیت میں پیدا ہو جاتی ہے اور عہد شباب یا رجولیت میں اس کا پھٹ پڑنا امراض عصبی کے علامات ظاہر ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

لیکن ینگ اس خیال سے متفق نہیں، اس کے خیال میں بعض اوقات یہ گتھی ان اسباب سے پیدا ہوتی ہے جو عصبی امراض میں مبتلا ہونے کے باعث ہوتے ہیں، لیکن اس کا براہ راست سبب بیان کرتے ہیں فرائڈ سے کچھ چوک

---

۵ Libido

ہو گئی ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ محض عہدِ طفولیت میں کسی نفسیاتی گتھی کا پڑ جانا عصبی امراض کا سببِ محرک بننے کا کافی ثبوت نہیں، بلکہ کسی اور سبب یا محرک کا اضافہ بھی ضروری ہے، یوں سمجھئے بعض اوقات فرد بزمانہ طفولیت اپنے نفس کی گہرائیوں میں کسی نفسیاتی گتھی کا حامل ہو جاتا ہے، یہ گتھی نتیجہ ہوتی ہے اس بات کا کہ اپنے خاص ماحول میں اس نے خوشگواری اور پسندیدگی کے ساتھ زندگی گزارنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، یہی ناکامی سبب بن جاتی ہے ذہنی اور دماغی الجھن کا، لیکن اس دماغی الجھن کے باوجود وہ کسی عصبی مرض کا شکار نہیں ہوتا، البتہ جب زندگی کی مشکلات میں کسی نئی مشکل کا اضافہ ہوتا ہے، اور یہ مشکل کس طرح سے دور نہیں ہوتی، تو ضرور عصبی بیماری میں مبتلا ہو جانے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے کہ یہ مشکل فرد سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس کے مقابلہ کے لیے وہ از سرِ نو جدوجہد کا آغاز کرے مگر اپنے تئیں بے بس پاتا ہے، مقابلہ کرنے کی سکت نہیں پاتا،

عدم مزاحمت کا سبب

وہ اپنے اندر مقابلہ کرنے کی سکت اس لیے نہیں پاتا کہ وہ بچپن سے اس بات کا عادی ہے کہ خاندان کی مشکلات کے سامنے عاجز اور درماندہ بنا رہے اسی لیے موجودہ زندگی میں بھی اپنی سابقہ زندگی کے روایات کی طرف رجوع کرتا ہے، اس میں عزم و ارادہ کی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں، وہ صرف حسیات و اوہام کی دنیا میں اپنے مشکلات حل کر لینے کو کافی سمجھ لیتا ہے۔

اپنے ماضی کی طرف اس کا یہ رجوع اور اس کا تاثر اسے پست ہمت اور ناکارہ بنا دیتا ہے، وہ موجودہ مشکلات کا حل دریافت کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے اس کے اور حل مشکلات کے مابین ایک خلیج سی پیدا ہو جاتی ہے، جس کا پاٹنا مشکل ہو جاتا ہے، اس طرح اس کے چال چلن اور زندگی کی تصنیفات کے درمیان موافقت اور مطابقت نہیں ہوتی، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی عصبی مرض کا شکار بن جاتا ہے،

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ موجودہ مشکل خود اس کی ذات نے پیدا کی ہے تو یہ بات فرد کو اس امر کی دعوت دے گی کہ وہ اپنی زندگی میں ایک معمولی اور طبیعی روش پہ رہے اور عہد طفولیت سے جس بات کا عادی رہا ہے اس کی طرف رجوع نہ ہو، اس صورت میں وہ اوہام وخیالات کی پناہ نہیں لیتا، اور نہ کسی عصبی مرض میں مبتلا ہو جانے کا کوئی امکان اس کے اندر موجود ہوتا ہے،

فرد اور اس کا ماحول

انہی تمام وجوہ سے ینگ نے یہ رائے قائم کی ہے کہ فرد اور اس کے ماحول کے درمیان توافق اور مطابقت کی دشواری ہی عصبی امراض کی حقیقی، اصلی اور براہ راست محرک بن جاتی ہے، اس سلسلہ میں وہ کہتا ہے،

بہترین تدبیر

"طریق زندگی سے مشکلات کو ہٹادو، طفولیت کے سائے ذرا پیچھا چھوڑ دیں گے، اور ماضی کے آثاروں سے ہی بے اثر

ہو کر رہ جائیں گے جیسے پہلے بجھے بجھے اور بے جان سے تھے

لیکن یہ یاد رہے کہ یہ آثار سرد ہو جانے کے باوجود اس حد تک سرگرم رہتے ہیں کہ ہر زمانہ اور ہر دور میں زندگی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، اسی لیے میں عصبی امراض کا سبب ماضی میں تلاش نہیں کرتا بلکہ حال کے حوادث میں تلاش کرتا ہوں، میں یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ ضروری فریضہ کون سا ہے جسے مریض سرانجام نہیں دیتا؟ اس قسم کے سوالات کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ طبیب کو مریض کی وہ کمزوری معلوم ہو جائے جو اسے ماحول کا مقابلہ کرنے اور اس میں موافقت اور ہم آہنگی کی زندگی بسر کرنے سے عاجز رکھتی ہے"!

امراض عقلی!

ینگ امراض عقلی کے علاج میں فرائڈ ہی کے مسلک پر چلتا ہے، پہلے وہ مریض کے خوابوں کی تحلیل کرتا ہے، پھر نفسی تحلیل کرتا ہے، اس سے اپنی زندگی کے پراسرار واقعات اس طرح کھلوا لیتا ہے جو معانیِ مطلق کے مقتضی ہوں،

فرائڈ اور ینگ کے طریقِ علاج میں صرف اتنا فرق ہے کہ ینگ مریض کے "حال" سے مشکلات کا سراغ لگاتا ہے، اور اس کے نفس میں کمزوری کے وہ عناصر معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے اور حلّ مشکلات کے مابین حائل ہیں، وہ مریض کے خوابوں کی تعبیر اس بنیاد پر نہیں دیتا کہ ان سے مریض کی پامال جنسی خواہشات کا ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ فرائڈ کا نظریہ ہے، بلکہ وہ اس بنا

پر تعبیر دیتا ہے کہ یہ خواب اس بات پر دلالت کرتے ہیں، جیسے عقل باطن مشکلات حاضرہ کے مقابلہ میں اس کے موقف کی حیثیت سے چھپائے ہوتی ہے صرف اسی طرح موجودہ زندگی سے متعلق اس کے نقطۂ نظر اور ردّ عمل کا پتہ چل سکتا ہے ؛

"حال" کا ادراک

ینگ کی رائے میں تحلیل نفسی کی غرض وغایت یہ ہے کہ مریض کو اس کا ابتدائی اسلوب معلوم ہو جائے، جو اس نے بچپن کے مشکلات کے مقابلہ میں مرتب کیا تھا اور اس کی عقل باطن اور عقل ظاہر کے درمیان جو رابطہ اور صلہ پایا جاتا ہے، اس کے ادراک پر قابو حاصل کر لے اور اس طرح اپنے حال کا ادراک کر سکے، اور ماضی کو سمجھ لے اور "نتیجتہً" اس کے اندر ایک ایسی شخصیت کی تکوین ہو جو متعدد عناصر سے مانوس ہو اور اس کے ماضی وحال کے درمیان کسی قسم کا تنافر یا تخالف باقی نہ رہے ،

رہا لبیڈو[1] سے متعلق ینگ کا خیال تو وہ لبیڈو کے جنسی خواہشات تک محدود رہنے سے انکار کرتا ہے، اور اس کے مفہوم کو اس طرح وسعت دیتا ہے کہ اس میں فرائڈ کا مقصود و مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے، اور ڈالر کا مدعا بھی مل جاتا ہے جو حصول عظمت و قوت کی رغبت پر مشتمل ہے ۔

اس طرح وہ اپنے دونوں حریفوں کی رائے میں موافقت پیدا کر دیتا ہے،

---

(1) Libido

اور لبیدو سے ایسے عام معنی مفہوم ہونے لگتے ہیں جنہیں شوپن ہارنے "رغبت[1] حیات" سے تعبیر کیا ہے، برگساں اسی کو قوت غریزی[2] کہتا ہے۔

رغبتِ حیات

"اس تمام بحث کا مقصود یہ ہے کہ نشاط انسانی کی بنیاد "رغبت حیات" پر قائم ہے، جو ہر انسان میں عام طور پر پائی جاتی ہے، ہر قسم کے عصبی امراض اس رغبت کے پورے نہ ہونے یا اس کے حصول میں عاجز رہنے سے پیدا ہوتے ہیں، اور ان کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ مقتضیات زندگی اور اپنے رویے کے درمیان ہم آہنگی اور توافق پیدا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

عصبی امراض میں جو لوگ مبتلا ہوتے ہیں ان کے معالجہ اور بیماری سے شفا یابی کا انحصار صرف اس بات پر ہے کہ وہ اپنے ماضی سے اچھی طرح روشناس ہو جائے اور اس کے حال پر جس حد تک یہ موثر اندازہوا سے معلوم کرلے،

یہی دونوں باتیں اس کی نفسیاتی الجھنیں دور کرنے کی کفیل ہیں اور انہی سے اس کے ماضی اور حال میں مطابقت پیدا ہو سکتی ہے، اور اُن اسباب کی تکمیل ہو سکتی ہے جو صحت عقلی سے متعلق ہیں"!

---

[1] will of Live [2] Elan vital

عقل کا روگ

عقلی امراض کا معالجہ کیونکر ممکن ہے؟

ایک محقق یا فنکار جب کسی امر کی جامع و مانع تعریف کرتا ہے، یا کوئی علمی اصطلاح وضع کرنا چاہتا ہے تو اسے بڑی حوصلہ شکن اور روح فرسا دشواریوں اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، میں ان دشواریوں کو پورے طور پر محسوس کرتا ہوں، اس لیے میری نظر میں صحت عقلی کے مفہوم کی تحدید کوئی آسان بات نہیں صحت عقلی محض اعتباری اور اضافی مفہوم رکھنے والا لفظ ہے، یہ ایسا مفہوم ہے جو متفق علیہ نہیں، بلکہ مختلف فیہ ہے، صحت عقلی کی تعبیر و تشریح میں کافی اختلاف ہے، کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ،

معیار کیا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا مضبوط مقیاس یا پیمانہ نہیں ہے جس سے کسی شخص کی صحیح حالت کا قیاس کیا جا سکے، اس کا صحیح العقل یا مریض النفس ہونا صحت کے ساتھ معلوم کیا جا سکے، ہنوز اطبا تک صحت اور مرض کے درمیان کوئی مفاصل نہ قائم کر سکے۔

مگر منطقی تعریف ضرور ایک جامع و مانع ضرورت ہے، اگرچہ دشوار، اور کسی حد

تک بعید الفہم بھی ہے، یہ الگ بات ہے کہ جس بات کو عرف عام میں قبول کیا جائے اسی کو سہل اور عام فہم مانا اور کہا جاتا ہے، اس لیے اس نظریے کی روشنی میں ہمیں صحت عقلی کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہنا چاہیے کہ فرد کا اس بات پر قادر ہونا کہ وہ اپنی فکر و فہم کے رویے میں اپنے ماحول اور استعداد کے مطابق پسندیدہ اور مناسب طور پر چل سکے ـــــ بس یہی صحت عقلی ہے، تاکہ اس کے بعد ہم یہ کہہ سکیں کہ سلیم العقل شخص وہ ہے جو اپنی فکر اور اعمال میں ربط اور ہم آہنگی رکھتا ہو، اگرچہ کسی حد تک اس کا رویہ ایک اعتبار سے تو اس کی استعداد کے مطابق ہو، اور ایک اعتبار سے اس کے ماحول کے مطابق ہو۔

استعداد اور ماحول

ہم نے لفظ استعداد اس لیے استعمال کیا ہے کہ رویے یا چال چلن پر حکم لگانے کے لیے آدمی کی استعداد، ثقافت، عمر اور نوعیت پر نظر کرنا نہایت ضروری ہے جب اس کا رویہ ان امور کے موافق ہوگا تو ہم اس کی نسبت یہ حکم لگائیں گے کہ وہ نارمل ہے یعنی طبیعی یا اوسط معیار کے مطابق ہے، اگرچہ کسی اور عقلی پیمانے کی بہ نسبت وہ شاذ یا غیر معمولی حیثیت رکھتا ہو۔

اسی طرح کسی بلند تر ثقافت رکھنے والے شخص کے رویّہ کے بارے میں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس میں کون سی غیر معمولی باتیں پائی جاتی ہیں؛ یہ بات بدیہی ہے کہ ہمیں بچے کے رویّے کو مرد کے رویّے پر قیاس نہ کرنا چاہیے، نہ مردوں کے رویّے اور تصرّفات پر عورتوں کے رویّے اور تصرّفات کو قیاس کرنا چاہیے، اس لیے کہ ہر

شخص اپنے اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے، اس موضوع پر ہم آگے چل کر مزید گفتگو کریں گے!

سلبی تعریف

یہاں تک صحت عقلی کے ایجابی معنی بیان کیے گئے، اس کی سلبی تعریف یہ ہے کہ "آدمی کے عقلی اور عملی رویّے کا انوکھا پن یا بے قاعدگی کی ان انواع سے خالی ہونا جن سے رواج عام عقل کی مناسبت سے انکار کرتا ہو، بس یہی صحت عقلی ہے۔

آگے چل کر جب ہم امراض عقلی پر بحث کریں گے تو انوکھے پن کی متعدد انواع کا تذکرہ بھی کریں گے، سر دست گفتگو یہ ہے کہ یہ امر کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ صحت عقلی ہی خلقت بشریت کی اصل ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین قوام کے ساتھ پیدا کیا ہے اسے برتر عقل اور اعلیٰ ذکاوت کا شرف عطا کیا ہے اس لیے انسان میں اس کے انسان ہونے کے اعتبار سے اصل چیز یہ ہے کہ وہ اپنے افکار اور اعمال میں سلامت روی کا ایسا راستہ اختیار کرے جو اس کی صلاحیت اور ماحول سے مناسبت رکھتا ہو، اور اس راستے سے سوا ان اسباب کے جو اس کی ذات پر طاری ہوں۔ اور فطرت ذاتی سے خارج ہوں۔ علیحدہ نہ ہو۔

طبعی اور خارجی

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ صحت عقلی انسان کے اندر ایک طبعی امر ہے اور مرض ایک خارجی اور غیر طبعی شے ہے،

جب ہم نے تسلیم کرلیا کہ صحت ہی اصل چیز ہے تو اس کے اسباب دریافت

کرنا کوئی نامناسب بات نہ ہوگی، کیونکہ ایک پرانی کہاوت ہے "جو چیز اپنی اصل پہ آجائے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا ——————!"

مگر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہم صحت عقلی کا سبب کیوں نہ دریافت کریں؟ اس قسم کے سوال سے ہمیں کون سی بات روکتی ہے کہ فلاں شخص صحیح العقل اور قوی الجسم کیوں ہے؟ اس کا مخصوص اسلوب زندگی کیا ہے؟ اس کی ثقافت کی اصل و اساس کیا ہے؟ اس کا جواب تو بہت آسان ہے کہ اسباب صحت سے بحث کرنا ہمارے لیے ضروری نہیں، کیونکہ ایک تندرست اور معمول کے مطابق صحت رکھنے والے شخص کے حالات نہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف منعطف کرتے ہیں اور نہ ان کی بنا پر کسی انتباہ کی حاجت ہوتی ہے۔

البتہ مریض کی حالت ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے لہذا اسباب مرض کا علم ہمارے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کا مداوا کریں تاکہ اس کے شر سے بچے رہیں اور اسے ایسی طبعی حالت پر دوبارہ لے آئیں جس سے دوسرے تندرست لوگ مانوس ہیں تاکہ یہ شخص بھی معاشرے کا ایک کارآمد رکن بن جائے!

امراضِ عقلی

اس بنا پر ہمیں امراض عقلی کی طرف پھر رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ یہ بحث اور عقلی امراض کی حقیقت کا علم صحت عقلی کے معنی پر ایک نئی روشنی ڈالتا ہے، اور اس طرح اس کی حقیقت سے متعلق ہمارے معلومات میں خاصہ اضافہ ہوتا ہے کیونکہ یہ بات قدیم سے ثابت ہے کہ "چیزوں کی تمیز ان کے اضداد سے ہوتی ہے"!

مرض عقلی کی تعریف میں سب سے اچھی بات جو کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ذکرِ افعال

یا عمل میں ضعف کے باعث یا کسی بے قاعدگی کی وجہ سے مقررہ حد سے تجاوز کر جانا بس یہی مرض عقلی ہے[1]،

عرف عام وقتی اور عارضی قسم کے اضطرابی حالات کو امراض عقلی کے ذیل میں نہیں شمار کرتا، مثلاً جو حالات کسی زبردست اور ہنگامی نوعیت کے انفعالی صدمے سے یا مخدر اشیا کے استعمال سے، یا شدید جسمانی امراض میں مبتلا ہو جانے کے باعث پیدا ہو گئے ہوں ——— جیسے بخار، جس کے ساتھ اکثر اوہام و ظنون لگے رہتے ہیں، ——— امراض عقلی میں شمار نہیں کئے جاتے۔

مفکرین کی رائے

بعض مشہور مفکرین کی رائے میں مرض عقلی کے معنی تنگ اور محدود ہیں، ان کے نزدیک احتمالی ضعف عقلی کے بعض حالات اس میں شامل ہیں، نہ بعض بسیط عقلی عناصر کا فقدان اس ذیل میں آتا ہے، جس شخص کے اندر سے کوئی جذبہ مفقود ہو جائے یا جس کی ذکاوت اور عقل کی تیزی سرد پڑ جائے اس کا شمار ان لوگوں کے نزدیک عقلی مریضوں میں نہیں ہوتا، جو امراض عقلی کو صرف ایسے عقلی حالات تک محدود رکھتے ہیں جن میں عقلی بے قاعدگی بہت ہوتی ہے، مثلاً ان کے نزدیک مرگی، فتور عقل، خلل دماغ اور دیوانگی جیسے امراض ہی امراض عقلی میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

ارباب قانون کی رائے ہے کہ کسی شخص کو سلیم العقل[2] صرف اسی صورت کہا جاتا ہے جب کہ وہ غلط اور صحیح قسم کے کاموں میں فرق کر سکتا ہو، اور اس کی قوت حافظہ

---

[1] ملاحظہ ہو قاموس علم النفس و فلسفہ کا مقالہ Insanity [2] Sane

یا یادداشت معقول حد تک درست ہو، اور اپنے خاص معاملات کو ایک گونہ احتیاط کے ساتھ چلا سکتا ہو!

ضعفِ فکر

اس قانونی اصطلاح کی بنا پر امراض عقلی میں وہ ضعف فکر بھی داخل ہو جاتا ہے جو درست اور نادرست کاموں کے درمیان عدم امتیاز کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اسی طرح ایک قابل لحاظ حد تک حافظے کی کمزوری اور خاص معاملات میں معقول تصرف سے عاجزی بھی اسی قسم میں شامل ہو جاتی ہے۔

لیکن علمائے نفسیات اور نفسیاتی معالجہ کے ماہرین کی نظر میں مرض عقلی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور فکر و ادراک میں انحراف و بے قاعدگی کے ایسے تمام اعمال اس ذیل میں آ جاتے ہیں، جن سے ارادہ اعمال اور رویّے کے اندر بے راہ روی اور انوکھاپن مرتب ہوتا ہے،

امراض عقلی اس اعتبار سے بہت ممتاز ہیں کہ یہ امراض عقلی زندگی میں مانوس حد سے خارج ہونے والے حالات ہیں خواہ زیادتی کی صورت میں ہوں، یا کمی کی شکل میں، اس لیے محض انفعالات کا اُلٹ پھیر یا فکر اور رویّے میں اضطراب ایک ایسا معمولی امر ہے جو صحیح العقل اشخاص تک کو پیش آ جایا کرتا ہے، لیکن جب یہ حد سے تجاوز کر جائے یا ایک صفت ثانیہ بن جائے، تو پھر بلا شبہ یہ ایک مرض عقلی بن جائے گا، جس کے علاج اور تدارک کی ضرورت ہے،

انفعال کی چنگاری

اسی طرح انفعال کی چنگاری یا شعلۂ فکر کا بجھ جانا یا ارادہ میں واضح قسم کا ضعف پیدا ہو جانا جو سوء تصرف یا ارادے کے مقید[۱] ہونے کی صورت میں نمایاں ہو، یا اور اس قسم کی تمام باتیں اگر نفس میں عادت کے طور پر راسخ ہو جائیں تو امراض عقلی میں شمار کی جائیں گی، کیونکہ یہ حیات عقلی میں انقلاب اور انحطاط کا باعث ہوتی ہیں۔

امراض عقلی پر دو باتوں سے استدلال کیا جاتا ہے۔

(۱) باطنی:

یہ مریض کے اپنے انفعالات اور افکار بیان کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے،

(۲) خارجی:

یہ مریض کے رویے اور اس کے ارادہ سے صدور میں آنے والے اعمال و افعال پر مشتمل ہوا کرتی ہے۔

اگر ہم دوسری دلیل پر اعتماد کلی کریں اور پہلی کو نظر انداز کر دیں تو غلط بات ہو گی، تجربات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ شاذ اسباب بعض اوقات اتفاقی طور پر کسی پسندیدہ اور مقبول رویے کا باعث بن جاتے ہیں اور کبھی شکوک و اوہام اور سقیم فکر کا نتیجہ صحیح احکام کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے نفس کے پامال شدہ یا ناکام خواہشات و میلانات اور خارجی حالات کے درمیان جو کشمکش برپا ہوتی ہے وہ اکثر اضطراب یا مرض عقلی کا سبب بن جاتی ہے،

---

[۱] Abulia

وجدانی زندگی

مناسب ہوگا کہ ہم مرضِ عقلی کو سمتِ عقلی کے اضطراب میں محدود و منحصر نہ دیکھیں یہ درست ہے کہ شاذ (غیر معمولی یا بے قاعدہ قسم کی) اور ناہموار فکر اور اپنے آپ کو خیالات و اوہام کے حوالے کر دینا مرضِ عقلی کے اہم مظاہر میں سے ہے، لہٰذا اس پر توجہ کرنا بہت ضروری ہے۔

لیکن ساتھ ہی ساتھ اس امر کو بھی نہ فراموش کرنا چاہیے کہ وجدانی زندگی میں بے قاعدگی یا انوکھا پن، مواقع خوف کی کثرت غصے کی دائمی اطاعت اور مسرت و شادمانی میں انہماک پر مشتمل ہوتی ہے، معمولی محرکات کا اثر زائل ہو جانے یا اس اثر کو قبول کر لینے میں تاخیر کرنے، ایسے فرسودہ اعمال کو جن سے ذوقِ سلیم نفرت کرتا ہو، یا جو عرفِ عام میں منکر کی حیثیت رکھتے ہوں، سرانجام دینے یا ارادے کے اضطراب اور اس کے تغیرات پر یہ زندگی مشتمل نہیں ہوتی۔ نہ عناد اور مخالفت کی طوالت یا شخصیت کا انقسام و افتراق اس میں شامل ہے، کیونکہ یہ سب باتیں ایسے عقلی امراض کے دلائل ہیں جن سے متنبہ ہونا اور جن کے علاج معالجہ کی جد و جہد اور سعی و کوشش کرنا بسا ضروری اور لازمی ہے۔

اسی باعث مرضِ عقلی، سمتِ ادراک یا سمتِ عقل ہی میں خلل آنے تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کا ظہور وجدانی اور جذباتی سمتوں اور نفسیاتی خواہشات و افکار اور رویہ و اعمال کے درمیان توازن کے مفقود ہو جانے کی صورت میں بھی رونما ہوتا ہے۔

فرد کا مخصوص ماحول

مناسب ہے کہ بے قاعدگی کو متعین کرنے میں فرد کے حالات اور اس کے مخصوص ماحول کی طرف رجوع کیا جائے۔ یاد رکھنا چاہیے اس سلسلہ میں فرد سے متعلق حسب ذیل امور مراد ہیں۔

(۱) فرد کی عمر، (۲) اس کا عقلی درجہ یا معیار، (۳) اس کی جنس، (۴) اس کا اجتماعی مرتبہ (۵) اجتماعی ماحول،

جو باتیں بچے کی نسبت سے معمولی ہوتی ہیں، وہ مرد کی نسبت سے شاذ ہو جاتی ہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ جو بات بچے میں بہت زیادہ مسرت اور انزاہٹ کی صورت میں پائی جاتی ہے وہ اس کی نسبت سے طبعی ہوتی ہے، لیکن اگر کسی جوان شخص یا کسی مرد سے ایسی ہی حرکت ظاہر ہو اسے عقلی مرض تصور کیا جائے گا،

اسی طرح جو بات کسی کند ذہن اور غبی شخص کی طرف مانوس و مالوف سمجھی جاتی ہے، وہی اگر کبھی کسی عقلمند اور ذکی شخص میں پائی جائے تو اس کی نسبت سے اسے شاذ خیال کیا جائے، جو باتیں عورت کی نسبت بے تامل قبول کر لی جاتی ہیں، وہ اکثر اوقات مرد کی نسبت قطعاً قابل قبول نہیں ہوتیں، جو چیز ایک نا شائستہ شخص میں ہمیں مانوس معلوم ہوتی ہے وہی بات اگر کسی شائستہ آدمی میں نظر آجائے تو ہم اسے سخت ناپسند کرتے ہیں جو امور تمدن میں پیچھے رہ جانے والے متوسط درجہ کے لوگوں میں عام ہیں وہی امور ایسے ترقی یافتہ ماحول اور اقوام میں جو تمدن کی راہ میں منزلوں آگے نکل چکی ہوں پائے جائیں تو وہ یقیناً شاذ سمجھے جائیں گے۔

واضح مثالیں

مثلاً سحر، جادو اور شعبدہ گری کو لیجیے، یہ ایک آبائی عقیدہ ہے جو ازمنۂ ماضیہ میں رائج تھا، اور اب بھی ان قبائل میں مروج ہے، جو تہذیب و تمدن کے اعتبار سے پسماندہ ہیں،

جو شخص ایک ترقی یافتہ ماحول میں رہتا ہو، نیز متمدن اور تہذیب یافتہ ہو، اگر اس میں یہ عقیدہ پایا جائے تو اسے مرضِ عقلی کی دلیل خیال کیا جائے گا۔

اگر آپ سے کوئی شخص ایسی بات کہے کہ کوئی جادوگر اس کے درپے آزار ہے اور اپنے ساحرانہ اعمال سے اسے نقصان پہنچانا، یا ہلاک کرنا چاہتا ہے تو یہ سمجھ لیجیے کہ وہ عقل کا مریض ہے اور اسے نفسیاتی علاج کی سخت و شدید ضرورت ہے۔

یہ سب باتیں اتنی واضح اور صاف ہیں کہ ان کی مزید تشریح میں کچھ کہنا یقیناً بیکار ہے اور وقت کا ضائع کرنا ہے۔

عقلی امراض

اسباب افسام تشخیص

اب ہم عقلی امراض کے بعض پہلوؤں پر ذرا بسط و تفصیل اور وضاحت کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں، کہ بغیر اس کے سلسلۂ گفتگو جاری رکھنا بے نتیجہ ہے،

عقلی مرض سے مراد

جب ہم عقلی لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصود ہوتا ہے عقل میں نقصان یا کمزوری کا پایا جانا، یہ نقصان عقلی اعمال میں یا تصرفات میں نقص یا ضعف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے،

اگر نفس اپنے فرائض کامل طریقہ سے سرانجام دینے کی استطاعت نہیں رکھتا، معذور مجبور ہے تو اسی کو عقلی مرض کہا جائے گا، یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ عقل کے فرائض تین چیزوں کے اندر محدود و منحصر ہیں۔

(۱) ادراک (۲) وجدان (۳) جذبات،

ان جہتوں میں سے جس جہت میں بھی کوئی بے قاعدگی پائی جائے یا انوکھاپن دکھائی دے تو سمجھ لیجیے عقلی مرض کی ابتدا ہو چکی ہے۔

رہا مرض جسمانی، تو وہ جسم کی اس کمزوری کا نام ہے جو اس کے اعضا اور آلات کی تکوین میں خلل یا خرابی اور کوتاہی رونما ہونے سے پیدا ہوتی ہے اس سے بحث نہیں کہ یہ کوتاہی تمام اعضا اور آلات میں ہے، یا بعض میں؛ اس خلل کے باعث جسم کی طبعی تکوین فاسد ہو جاتی ہے اور وہ اپنے مقررہ فرائض پسندیدہ اور مناسب طور پر ادا کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔

جسم اور عقل

چونکہ جسم اور عقل کے درمیان ایک خاص قسم کا ربط و تعلق پایا جاتا ہے، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مرض عقلی کے ساتھ ساتھ بعض اعلیٰ عصبی مراکز اپنے فرائض ادا کرنے میں عاجز اور درماندہ ہو جاتے ہیں، حالانکہ ان کی تکوین بظاہر صحیح سالم نظر آتی ہے، اور کوئی مادّی خرابی نظر نہیں آتی۔

کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جو اعلیٰ عصبی مراکز دماغ میں ہیں ان کا مادی خرابی میں مبتلا ہو جانا، عقلی اعمال و افعال میں اضطراب بے قاعدگی یا الجھنوں کا باعث بن جاتا ہے۔

اس بات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقتہً جسم اور عقل کے مابین کیسا ربط و تعلق ہے؟

امراض عقلیہ میں وہ امراض بھی شامل ہیں جو نسبتاً کم مضرت والے ہیں مثلاً ضعف حافظہ، شدت خوف و تردد اور ایسے بھی ہیں جو ایک وبال کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کا انجام برا ہوتا ہے، جیسے مرگی، مالیخولیا، ہوس، پاگل پن، وسوسہ، شخصیت کا انقسام،

ارادہ کی بندش اور جنون اپنی تمام انواع واقسام کے ساتھ۔

سبب ضروری ہے

جس طرح ہر جسمانی مرض کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے، اسی طرح یہ بات بھی اب تسلیم شدہ ہے کہ ہر مرض عقلی کا کوئی نہ کوئی خاص سبب ضرور ہوتا ہے،

اگرچہ آج کل عقل اس کے وظائف اور اس کے طبیعی ضعف کے اسباب سے متعلق خاص خاص علوم اور معارف کافی رائج ہو چکے ہیں، لیکن با ایں ہمہ ہمیں بعض اشخاص یہاں تک کہ بعض معلّمین بھی ایسے ملتے ہیں جو عقلی امراض کو مخفی عوامل کی طرف نسبت دیتے ہیں جو خود مریض کی طبیعت سے خارج ہوتے ہیں اس لیے جن یا شیاطین کے اجسام میں حلول کر جانے کا خیال عوام میں برابر پھیلتا اور شائع ہوتا رہتا ہے،

ڈاکٹر اڈورڈ اسٹر کرنے اپنی کتاب ——— "نفسیاتی علاج"، میں ایک مقام پر تحریر کیا ہے۔

ڈاکٹر اڈورڈ کا مشاہدہ

"عقلی مرض کی ایک مریضہ کو اس کے بعض اقربا میرے پاس علاج کے لئے لائے، اور مجھے متنبّہ کر دیا کہ جب چاند پورا ہو جائے تو مریضہ کے کمرے میں پردے چھوڑ دیے جائیں تاکہ پورے چاند کی شعاعیں پڑ کر اس کے مرض میں مزید خرابی اور پیچیدگی پیدا کرنے کا باعث نہ ہوں، یہ اس عقیدے کے باقی ماندہ آثار ہیں جو قدما میں موجود تھا، اس کا واقعہ یوں ہے کہ یہ

خیال عام ہوگیا تھا کہ عقلی مرض کا چاند کے وجود سے بڑا گہرا تعلق ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جس کے باعث جنون کا نام I unaey بڑگیا۔ یہ ایک لاطینی لفظ lune سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں چاند، یہ عقیدہ اور اس سے ملتے جلتے اوہام اور خرافات کی مہملیت اور ان کا خلاف واقعہ وحقیقت ہونا جدید تحقیقات کے بموجب اچھی طرح ثابت ہو چکا ہے، اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ کم از کم نصف عقلی امراض ایسے عام اسباب کی طرف رجوع ہوتے ہیں، جن کے آثار تمام امراض میں اپنی مختلف انواع کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً وبائی امراض میں طاعون وغیرہ، نشہ آور اور مخدر اشیا کا استعمال، ہضم کی خرابی، صمّا نامی غدود کا نقص، یا پھر اندرونی اعضاو جوارح اور آلات میں کسی قسم کی خرابی کوتاہی، یا پھر کسی قسم کا تعلق"!

عقلی اِمراض کے اسباب

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اگر تمام عقلی امراض کے نہیں تو ان میں سے اکثر کے جسمانی اور نفسیاتی اسباب وعوامل ضرور پائے جاتے ہیں۔

اکثر جسمانی امراض کے عقلی اسباب ہوتے ہیں، کیونکہ انسان ایک عقلی اور جسمانی وحدت کے سوا کچھ نہیں ہے، اس لیے یہ ایک طبعی امر ہے کہ جو چیز جسم پر اثر انداز ہوتی ہے وہ جسم اور عقل کی انہی دو جہتوں پر مشتمل اور اثر انداز ہوتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ بعض اوقات جسمانی مرض کا پلہ عقلی مرض سے بھاری ہوتا ہے، ایسی حالت میں مرض کو

جسمانی کہا جاتا ہے اسی طرح کبھی عقلی مرض کا پلہ جسمانی مرض سے بھاری ہوتا ہے تو اسے عقلی مرض کہتے ہیں،

جب یہ حقیقت ہماری آنکھوں کے سامنے آگئی، تو ہم اس راز کو بآسانی پہچان سکتے ہیں کہ ان خاص موثرات یا عوامل کے اشتراک کا اصل راز کیا ہے؟ ان میں کون سی چیز مضمر ہے، جن سے جسمانی اور عقلی امراض ایک ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں؟

اس حقیقت کی روشنی میں ہم امراض عقلیہ کے اسباب و عوامل اور محرکات کو دو مجموعوں میں تقسیم کر سکتے ہیں،

(۱) اسباب سابقہ[1] (۲) اسباب محرکہ[2]، جن سے مرض بلاواسطہ پیدا ہوتا ہے،

اب ان دونوں اسباب پر ہم الگ الگ گفتگو کریں گے،

(۱) اسباب سابقہ یا محدّدہ:

اسباب سابقہ یا محددہ جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے انسان کو مرض میں مبتلا ہونے کے لیے آمادہ کر دیتے ہیں، یہ اسباب مرض کے بالفعل حدوث سے پہلے رونما ہوتے ہیں جو کسی اور سبب یا اسباب پر موقوف ہوتا ہے یہ سبب یا اسباب ہی اسباب محرکہ ہیں جن کو دوسرے مجموعے میں شمار کیا گیا ہے اس بات کی وضاحت کے لیے جسمانی امراض میں سے مرض نمونیہ (ذات الریہ) ——— جس میں پھیپھڑوں کی جھلیاں متاثر ہو جاتی ہیں، کا ذکر غیر ضروری نہ ہوگا۔

نمونیہ میں مبتلا ہونے کے اسباب سابقہ میں سے سوء تغذیہ، نشہ آور اشیا کا استعمال، الکحل آمیز اشیا کا بے محابا اور بے دریغ استعمال وغیرہ شامل ہیں، لیکن اس مرض میں براہ راست یا بالفعل طریقے پر اس وقت تک مبتلا نہیں ہوتا جب تک اس کے

---

[1] Predisposing Causes [2] Excity cause

دونوں پھیپھڑے، بالفعل مرض پیدا کرنے والے جرثومے کی زد میں نہیں آ جاتے!

امراض عقلی کے اسباب

امراض عقلی کے یوں تو متعدد اسباب و عوامل ہیں، لیکن چند خاص اور اہم اسباب یہ ہیں۔

(۱) وراثت (۲) عمر (۳) جنس (۴) ماحول کے عوامل (۵) پیشہ (۶) سابقہ علالت۔ اب ان میں سے ہر ایک پہ ہم الگ ذرا شرح و بسط اور وضاحت کے ساتھ گفتگو کریں گے، تاکہ صورت مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔

(۱) وراثت:۔

وراثت کا شمار ان اہم عوامل میں سے ہے، جو انسان کو بعض عقلی امراض کا باعث بنا لیتے ہیں، تحقیقات سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ عقلی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کی چوتھائی یا تہائی تعداد ——— اور بعض حالات میں اس سے بھی زیادہ ——— ان خاندانوں سے منسوب ہوتی ہے جن میں عقلی امراض، یا عصبی اضطراب اشاعت پا چکے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اکثر حالات میں جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں، عقلی مرض کا تعلق نظام عصبی کے کسی پوشیدہ ضعف یا اس نظام کی تکوین میں توازن کے مفقود ہو جانے سے بہت گہرا ہوتا ہے۔

یہاں ہم قارئین کو دو غلطیوں سے متنبہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن میں عوام عموماً مبتلا ہو جایا کرتے ہیں۔

(۱) وراثت کی تعظیم میں مبالغہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو بات ماحول کے موثرات میں شمار ہونی چاہیئے، وہ وراثت کی طرف شامل کرلی جاتی ہیں اس لیے حالات کی معقول تحقیق اور مریض کی تاریخ کا گہرا مطالعہ ضروری ہے تاکہ یہ غلطی نہ ہو کہ ماحول کی طرف جو بات منسوب ہونی چاہیئے وہ وراثت کی طرف منسوب کردی جائے۔

(۲) یہ عقیدہ کہ عقلی مرض جب بھی ہوتا ہے صرف اسی حالت میں کہ وراثت سے یہ منتقل ہو، بالکل غلط اور مہمل ہے، یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ مجنوں کا لڑکا بھی فاترالعقل ہو، یا عصبی مریض کی اولاد بھی عصبی اعتبار سے ناکارہ ہو، جو مرض وراثت میں ملتا ہے، وہ بعینہ وہی مرض نہیں ہوتا جس میں مورث مبتلا ہوا تھا۔ یہ وراثت ایک عام عصبی استعداد، یا معمولی طور پر اعصاب کی مجموعی کیفیت اور حالت ہوتی ہے۔ اگر اصل (مورث) شخص میں ضعفِ اعصاب کی مزمن شکایت موجود تھی، جو اس کے مرض عقلی میں مبتلا ہونے کا نتیجہ تھی۔ تو احتمال غالب ہے کہ فرع بھی اعصاب کے اعتبار سے کمزور ہوگی اور کسی عصبی مرض میں مبتلا ہوگی، خواہ یہ وہی مرض ہو جس میں اصل (مورث) مبتلا تھا، یا کوئی اور مرض ہو

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ اصل شخص (مورث) اگر عقلی مرض میں مبتلا ہو تو اس کے تمام فروع (اولاد) عقلی امراض میں گرفتار ہو جائیں، کیونکہ یہ مشاہدہ ہے ایک ہی خاندان کے بہت سے افراد اس مرض کے خطرات سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگرچہ اسی خاندان کے متعدد دوسرے افراد اس مرض میں مبتلا ہو چکے ہوں۔

(۲) عمر یا سن :-

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں فرد اور قوم متشابہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ملّت پیدا ہوتے وقت چھوٹی ہوتی ہے، پھر آہستہ آہستہ بڑھتی ہے پھر جب حوادث کی تند ہواؤں کا مقابلہ کرتی ہے جو اس کی زندگی کا محاصرہ کیے رہتی ہیں اور ابتدائے شباب میں محنتوں اور مصیبتوں کے بھنور سے صحیح سالم نکل آتی ہے، تو لامحالہ اپنی فعالیت کے عہد میں تندرست اور طاقتور ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب عروج کی چوٹی تک پہنچتی ہے تو انقلاب زمانہ کا ہدف بن جاتی ہے، حالانکہ ایک طویل مدت تک بلکہ صدیوں تک قوی اور تندرست رہ چکی تھی۔

لیکن تاریخ کے اسباق ہمیں بتاتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ملّت اور افراد ہی کارفرما ہوتے ہیں، قوّت اور غلبے کی مدّت ملّت کے حالات اور ان بنیادوں پر موقوف ہوتی ہے، جن پر وہ قائم ہوتی ہے، لہٰذا اصول یہ ہوا کہ جب بنیاد قوی ہوتی ہے اور عمارت مضبوط، تو ملّت کی مدّتِ حیات دراز ہوتی ہے، زمانہ کے انقلابات اس کے ضعف اور انحطاط کے پیامبر نہیں ہوتے، لیکن جب ملت کا عہد شباب ختم ہوتا ہے، بڑھاپے کا بھیانک دور شروع ہوتا ہے تو بالآخر وہ فنا ہو جاتی ہے۔

بالکل یہی حالت بنی نوع انسان میں فرد کی ہوتی ہے وہ کامل اور سالم حالت میں پیدا ہوتا ہے، مگر اُس وقت وہ بہت کمزور اور چھوٹا ہوتا ہے، اس مرحلہ پر ضرورت ہوتی ہے کہ اس کی دیکھ بھال کی جائے، اس کی پرورش اور پرداخت

میں اہتمام کیا جائے اس کی نشو و نما پر پوری توجہ صرف کی جائے، تاکہ جسمانی یا عقلی امراض کا شکار نہ ہو جائے۔

طفولیت اور بلوغ

پھر جب طفولیت کے عہد سے وہ صحیح سالم گذر جاتا ہے اور بلوغ کے قریبی زمانہ میں جو خطرات پیش آتے ہیں ان کے مقابلہ پر قائم رہ کر جوانی کے حوادث اس کی عقلی مشکلات اور نفسیاتی شورشوں کا بہادری کے ساتھ سامنا کرتا ہے پھر تجربات زندگی میں ثابت قدم رہ کر محتاط اور دور اندیشانہ رویہ کے ساتھ اپنا توازن برقرار رکھتا ہے۔

اگر فرد ان تمام حالتوں سے صحیح سالم گذر جائے تو قرینہ غالب یہ ہے کہ وہ بعد کے تمام زمانوں میں عقلی امراض اور ضعیف نفسیاتی صدمات سے امن میں رہے گا۔

تجربات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ زندگی کے ابتدائی پانچ سال بے انتہا خطرات سے گھرے ہوتے ہیں، کیونکہ انہی میں شخصیت کا بیج بویا جاتا ہے، اگر اس مدت میں عقلی امراض جڑ پکڑ لیتے ہیں تو ان کے آثار صرف بڑھاپے میں ظاہر ہوتے ہیں،

یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ لڑکپن اور بلوغ کا زمانہ اور اس کے بعد کے چند سال عقلی زندگی کا خطرناک ترین دور ہوتے ہیں، کیونکہ اس زمانہ میں عقلی امراض خصوصاً جنون مراہقت[ل] یا جنون شباب کی مناسبت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

Shyzophrenia ل

زندگی کا آفتاب

پھر جب زندگی کا آفتاب لبِ بام آتا ہے، جوانی کے لشکر پر بڑھاپے کا غنیم دھاوا بولتا ہے، اور وہی نوجوان جو کل تک اپنے زور و قوت میں نمایاں اور ممتاز تھا آج بڑھا پھوس بن جاتا ہے، تو وقت آتا ہے کہ آدمی ضعفِ جسم اور ضعفِ عقل کا ہدف بن جائے، اور جب کبھی بڑھاپے کو طول ہوتا ہے تو اسے فتورِ عقل آ گھیرتا ہے، اور بدترین عمر (بہت زیادہ بڑھاپا) کو پہنچ کر اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتا،

جس طرح ملت کو اپنی زندگی میں متعدد اتفاقی دشواریوں اور پیچیدہ مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو بالآخر اس کی قوت کو زائل کر دیتی ہیں، اور کمر توڑ کر رکھ دیتی ہیں، مثلاً سیاسی اور اقتصادی مشکلات، اسی طرح فرد کو زندگی کے مختلف زمانوں میں معاشی مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے، پھر یہی نہیں ہوتا بلکہ چند در چند انفعالی مشکلات مترتب ہو کر اور زیادہ مصائب پیدا کر دیتی ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عقل کی بنیاد کمزور ہو جاتی ہے، نفس کے ارکان میں تزلزل پیدا ہو جاتا ہے کبھی کبھی ان مشکلات کی بدولت آن کی آن میں جان تک پر بن جاتی ہے اور وہ اس طرح مٹ کر رہ جاتا ہے جیسے کبھی اس دنیا میں وہ تھا ہی نہیں۔

ان وجوہ سے کسی شخص کی زندگی پر اس کے سن و سال کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے، اور سببِ مرض کی تلاش نیز تشخیص اور علاج کے وقت مریض کی عمر کو سامنے رکھنا بے حد ضروری ہے۔

(۳) جنس

کسی شخص کی جنس یعنی اس کا مذکر یا مؤنث ہونا مرض عقلی کی استعداد کے لیے اس کی ذات پر کوئی خاص اثر نہیں رکھتا،

اسی طرح اس مرض کے بالفعل حادث ہونے میں بھی اس کا کوئی دخل نہیں ہوتا، لیکن ایسے معین اوقات موجود ہیں جن میں عورتیں عقلی امراض میں بکثرت مبتلا ہو جاتی ہیں یا ان اوقات میں ان کا عصبی تاثر اور شدید ہو جاتا ہے جیسے حمل کا زمانہ ـــــ نوجوانی اور بلوغ کا دور، اس دور میں بدن کا نشوونما اپنی حد کو پہنچتا ہے اور انفعالی وطبعی انقلابات برابر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

(۴) ماحول کے عوامل!

یہ عوامل جو ماحول سے تعلق رکھتے ہیں، یا تو عام ہوتے ہیں، ورنہ پھر خاص!

عام عوامل وہ ہیں جو ایک فرد پر اس حیثیت سے کہ وہ کس قوم، یا نسل، یا گروہ کا ایک فرد ہے، معین اور عام حالات میں اثر انداز ہوتے رہتے ہیں، اس لیے شہروں کی زندگی اپنے شور اور ہنگامہ کی بدولت اعصاب پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے، اور انسان عقلی امراض کا ہدف اور نشانہ بن جاتا ہے، اسی طرح جنگ اور اس سے متعلق خطرات اس کے مقتضی ہیں کہ انسان کے اعصاب میں زلزلہ پیدا کر دیں اور نفس انسانی کی عمارت کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں، یہ خطرات ان فوجیوں پر بھی طاری ہوتے ہیں جو براہ راست جنگ کے میدان میں گھستے ہیں، اس کی تباہیاں، بربادیاں اور ہلاکتیں براہ راست اپنی جان پر جھیلتے ہیں۔ اور ان شہریوں پر بھی طاری ہوتے ہیں جو خوف اور دہشت کے مناظر اپنی آنکھوں سے

دیکھتے ہیں، لوگوں سے سنتے ہیں اور اخباروں میں پڑھتے ہیں، وہ چین کی نیند سے محروم ہو کر ایک دہشت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ عمارتیں خاک کا ڈھیر بن جاتی ہیں، سڑکیں صحرا بن جاتی ہیں، آبادیاں ویران ہو جاتی ہیں، زندگی کی تمام یکسوئیاں غارت ہو جاتی ہیں، ایک عام بے اطمینانی اور سراسیمگی پیدا ہو جاتی ہے، نہ صبح اطمینان سے ہوتی ہے، نہ دن بے فکری سے گزرتا ہے، نہ رات آرام سے کٹتی ہے۔

عصبی اضطرابات

ایسے مواقع پر یہ عصبی اضطرابات، اوہام اور خطرات پے در پے اور بار بار واقع ہوتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر سپاہی مجنوں ہو جاتے ہیں، بہت سے شہری دیوانے بن جاتے ہیں، ان کی عقلی زندگی تاراج ہو جاتی ہے، اور ایک بھیانک زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

یہ سب چیزیں موجودہ طرز زندگی کے نتائج ہیں۔ یہ طرزِ زندگی عبادت ہے موجودہ تمدن کی پیدا کی ہوئی مسابقت، منافست، شور و شغف، عداوت، رقابت، بغض و عناد، چالاکی، فریب کاری، بے اطمینانی، ہوس رانی، خود غرضی، مادہ پرستی اور اسی طرح کی دوسری چیزوں سے، یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے "عقلی مرض درحقیقت تہذیب و تمدن کی پیداوار ہے" اس کی دلیل یہ ہے کہ جو قومیں تمدن میں پسماندہ ہیں، ان میں عقلی امراض کی قلت ہے، اس کے برعکس شہریوں اور متمدن لوگوں میں جو جدید شہری زندگی کے مظاہر سے بہت زیادہ مستفید ہوتے ہیں، ان امراض کی بہت

زیادہ کثرت پائی جاتی ہے۔

ایک تحقیق شدہ بات یہ ہے کہ اجتماعی تعلقات، تمدنی فرائض اور ثقافتی حالات نے لوگوں پر جو فرائض عائد کر رکھے ہیں وہ عقلی زندگی پر اثر انداز ہونے والے شدید ترین عوامل میں شامل ہیں:

اجتماعی ماحول

اسی طرح یہ بات بھی پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ بہت سے عقلی امراض اکثر فرد میں اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ اجتماعی ماحول کے ساتھ موافقت پیدا کرنے میں عاجز رہتا ہے، یا پھر اس ماحول کا مقابلہ کرنے اور اس کے مطالبات پورے کرنے اور مقررہ فرائض وواجبات ادا کرنے میں قاصر رہتا ہے۔

اس بات سے یہ استنباط نہ کرنا چاہیئے کہ جو تمدنی زندگی استوار بنیادوں پر اپنے ارتقا اور عروج کی طرف گامزن ہے، وہ بذاتِ خود ضعفِ عقلی، یا امراضِ عقلی کے اسباب میں شامل ہے، اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ مدنیّت کی گود میں پروان چڑھتے ہیں، اور جن میں متنوع اور الجھی ہوئی مرکب قسم کی استعداد پائی جاتی ہے، اور ان پر پیچیدہ قسم کے زائد واجبات بھی عائد کر دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کو عصبی اضطرابات اور عقلی امراض کا سامنا ان اشخاص سے زیادہ کرنا پڑتا ہے جو بدویت اور بدحالی کے آغوش میں پلتے ہیں، جن کی فکر و نظر محدود ہوتی ہے، اس لیے ان کا ماحول جو واجبات ان پر فرض قرار دیتا ہے وہ بھی بہت محدود ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں اور ان اشخاص کی مثال ایک میکانکی آلے (مشین) کی سی ہوتی ہے، اگر مشین کے

پرزے زیادہ ہوں، کلیں تعداد میں بڑھی ہوئی ہوں اور کام متنوع ہوں، اور وہ کلیں اس مشین کے بنیادی کام سرانجام دینے میں باہم تعاون کرتی ہوں، تو وہ مشین اس سیدھی سادھی مشین کے مقابلے میں جس کے پرزے بہت کم اور کام محدود ہو، فساد اور تباہی کی زد میں زیادہ رہے گی،

متمدن معاشرہ

یہ مشاہدہ ہے کہ جو متوسط لوگ ایک متمدن معاشرے میں دو مراتب کے درمیان ایک مرتبے کی نمائندگی کرتے ہیں اور زندگی میں ایک متوسط راہ پر چلتے ہیں، انھیں عقلی امراض کا نشانہ معاشرے کے تمام گروہوں میں سب سے کم کرنا پڑتا ہے، اس کے برعکس جو لوگ معاشرے کے ادنٰے درجہ کے نمائندے ہیں، اور فقر نیز افلاس میں تمام افراد سے بڑھے ہوئے ہیں، انھیں عقلی امراض کا خطرہ تمام طبقات سے زیادہ درپیش ہوتا ہے، کیونکہ انھیں ان کا افلاس روزی کے حصول کے لیے جدوجہد اور سخت قسم کے حالات برداشت کرنے پر مجبور کرتا ہے، جن میں صحت برقرار رکھنے والے تغذیے کی خرابی، مخدر اشیاء کے استعمال کی رغبت، اور ایسے ماحول میں زندگی گزارنے پر مجبوری شامل ہے، جو نہ صحت بخش ہوتا ہے، نہ فطری، نہ مرغوب اور پسندیدہ"

ترقی یافتہ طبقات کے افراد میں اگر اعلٰی گروہ کو دیکھا جائے تو اس میں جو عقلی مریض ملتے ہیں، ان میں ایسے لوگ بہت زیادہ ہوتے ہیں جو تن آسانی، اور عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے عادی ہوتے ہیں، اور ایسے کام کرنے کے

خوگر ہوتے ہیں جن کے لیے سوجھ بوجھ کی ضرورت نہیں ہوتی ، یہ لوگ لذات اور شہوات میں ڈوبے رہتے ہیں ، انھیں اپنی خاص خاص خواہشوں کے پورا کرنے اور حیوانی رغبتوں کو طول دینے کے سوا ، کسی قسم کی کوئی فکر نہیں ہوتی ،

خواص الخواص عوامل

اب رہے خاص الخاص ماحول کے عوامل ، تو ان میں اہم تر عوامل یہ ہیں !

(۱) فرد کی عقلی زندگی کے خاص اور ناگزیر موثرات ،

(۲) وہ موثرات جن سے اجتناب ممکن ہے ،

چونکہ ہم ایسے بچے نہیں پیدا کر سکتے جو عقلی صحت اور وجدانی توازن کے لحاظ سے یکسر بہتر اور برتر ہوں ، اس لیے یہ خیال رہتا ہے کہ ہماری مجبوریوں کے حصہ دار نہیں۔ ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے ———— ؛ اگر اس بات کا سراغ لگانا مقصود ہو تو امور ذیل بھی لازمی طور پر پیش نگاہ رکھنے پڑیں گے۔ ہمیں جاننا چاہیئے کہ ہم بچوں کے لیے سعی و کوشش کے باوجود کیا کیا نہیں کر سکتے ؟ جو کچھ ہم نہیں کر سکتے اس کی مختصر فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) والدین کے غلبے سے ہم بچوں کو آزاد اور محفوظ نہیں رکھ سکتے ،

(۲) بچوں کی تادیب میں سختی بھی نہیں کر سکتے ،

(۳) بچوں کی خواہشات کا تمام و کمال پورا کر دینا بھی ہمارے بس سے باہر ہے

(۴) جنسی تربیت میں اس طرح ڈھیل دینا کہ اس کی بدولت نوجوان جنسی خوابوں میں منہمک رہنے لگیں ، اور اپنے آپ کو پاکیزہ قسم کی جنسی زندگی کے لیے

تیار کرتے ہیں ناکام رہیں،

(۵) بچوں کی دیکھی سنی باتوں پر والدین کے درمیان دوامی کشمکش، اور نزاع

_______ کیا اس کا کوئی تدارک ہو سکتا ہے؟

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ خاص الخاص ماحول کے ان عوامل کا یا ان سے مشابہت رکھنے والے عوامل کا، بچوں کی عقلی زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے یہ اثر اتنا گہرا اور دیرپا ہوتا ہے کہ ان کے کامل مرد اور مکمل عورت بن جانے کے بعد بھی باقی رہتا ہے، اس لیے اگر ہم ان کو محض سرسری نظر سے دیکھیں اور ان پر معقول توجہ نہ کریں تو یہ ایک بہت بڑی غلطی ہوگی۔

(۵) پیشہ

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کا اختیار کردہ پیشہ بھی عقلی امراض کا بالواسطہ یا بلا واسطہ سبب بن جاتا ہے۔ وہ مختلف پیشے جو کیمیاوی مادوں سے تعلق رکھتے ہیں، اب بہت بڑھ گئے ہیں، اور ان میں بڑا تنوع پیدا ہو گیا ہے، ان کی اشاعت مہلک معدنی، سیال، یا گیسی مادوں کی کثرت کا باعث ہو گئی ہے جن سے عصبی اعمال کے آلات متاثر ہوتے ہیں، اور وہ عمال کے جسمانی یا عقلی امراض میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتے ہیں۔

انہی مہلک مادوں میں سیسہ ہے، جو اعصاب پر اثر انداز ہوتا ہے اور عقل کو کمزور کر دیتا ہے، جو پیشے عقلی امراض کے اسباب مُعدّہ یا سابقہ میں داخل ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) شراب کی دوکانوں میں کام کرنا (۲) بحری جہاز رانی (۳) طبابت،

مضر اشیاء

یہ پیشے آدمی کو بذاتِ خود عقلی امراض کا ہدف نہیں بنانے بلکہ جو لوگ ان میں مشغول رہتے ہیں ان میں ایسی اشیا استعمال کرنے کی رغبت پیدا کر دیتے ہیں، جو ذہن و عقل کے لیے ضرر رساں ہوتی ہے۔

جو شخص شراب خانے میں کام کرتا ہے، بعض اوقات حالات اسے ایسی اشیا چکھنے اور استعمال کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں، جنھیں وہ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے،" اسی طرح کبھی کبھی ملاح کا اپنے وطن سے دور رہ کر تجرد کی زندگی گزارنا اسے پاکدامانی کے قیود سے آزاد ہونے پر بہکاتا ہے، اور اس طرح وہ ایک رنگیک اور پست زندگی ــــــ رذیلت ــــــ میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہی صورت طبیب کے لیے پیش آتی ہے، کبھی کبھی ادویہ سے مانوسیت اسے ورغلا دیتی ہے، اور تجربات اسے دعوت دیتے ہیں، یا تکان اس پر آمادہ کرتی ہے کہ بعض مضر، طبی جڑی بوٹیاں جو مریض کے لیے تجویز کیا کرتا ہے، خود بھی استعمال کر ڈالے،

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تھکا دینے والے سخت اعمال سرانجام دینا مرضِ عقلی کے عوامل میں سے ہے، تحقیق سے ان کی غلطی ثابت ہو چکی ہے، حقیقت یہ ہے کہ مشقت کے کام، عقلی امراض کے اسبابِ مُعِدّہ صرف اس وقت بنتے ہیں، جب نفسی قلق، شدید حرص، یا مستقبل اور مستقبل کے احتمالات کی نسبت حدِ معقول سے زیادہ فکر کی جائے اور پریشان رہا جائے،

یہ امور بعض اوقات انسان کو اس پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اعتدال

سے زیادہ مشقت میں ڈالے، خلافِ صحت فکری عادتوں کا خوگر بنے، اور ناقابلِ برداشت اعمال سرانجام دے، یہ حرکت اس کے جسمانی اور عقلی قویٰ میں ابتری کا باعث ہو جاتی ہے، اور وہ ایک بنجر زمین کی طرح بن جاتا ہے، جہاں سرسبزی اور روئیدگی کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

(۶) سابقہ علالت!

اس باب میں عقلی امراض کی مثال جسمانی امراض کی سی ہے، جس طرح کسی جسمانی مرض کا حملہ ایک بار ہو جانے کے بعد دوبارہ اس کی آمد کو اور سہل بنا دیتا ہے ——— جیسے امراضِ قلب ——— اسی طرح عقلی مرض کا حملہ ایک بار ہو جائے تو مریض میں دوبارہ اس کے خیر مقدم کی صلاحیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے، ایک دوسری صورت مناعت کی بھی ہے، جس طرح بچپن میں بعض بیماریوں کے ہونے سے آئندہ کے لیے انہی بیماریوں سے مناعت کا استقام ہو جاتا ہے، اور جسم پر ان کا دوبارہ حملہ نہیں ہوتا (مثلاً بعض بخاروں اور چیچک کا یہی حال ہے) اسی طرح بعض عقلی امراض کی بدولت عقل میں مناعت آ جاتی ہے، اور وہ شاذ و نادر حالات کے سوا دوبارہ انہی امراض کا شکار نہیں ہوتی!

یہ اسباب عقلی امراض کے اسباب معِدّہ میں بہت اہم ہیں، ان اسباب کا ذیل کے مواقع پر بہت زیادہ لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) تشخیص مرض کے وقت (۲) بالواسطہ یا بلا واسطہ سببِ مرض معلوم کرتے وقت (۳) علاج کے وقت۔

حقیقت میں یہ وہ امور ہیں جو ایک دوسرے سے بڑی مضبوطی کے ساتھ مربوط ہیں جو شخص مرض کو پہچان کر اس کا سبب دریافت کر لے وہ اس کا علاج بڑی آسانی اور خوبی کے ساتھ کر سکتا ہے،

مقابلۂ مرض

جب ہم ان اسباب کی روشنی میں ہر فرد کی زندگی کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا، جو مذکورہ اسباب میں سے ایک یا چند اسباب سے بالکل بری ہو، اس بنیاد پر قریب قریب تمام لوگ عقلی امراض کا ہدف ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، یہ دوسری بات ہے کہ لوگوں میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ملتی ہے جن میں مقابلۂ مرض کی قوت بہت شدید ہوتی ہے، یہ قوت اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ مرض اور اسباب مرض پر بڑی آسانی سے غالب آ جاتی ہے اور اس کے قہر کو روک دیتی ہے۔

اب ہم قارئین کی توجہ ایک بار اور اس طرف منعطف کرتے ہیں کہ استعداد مرض پیدا کرنے والا کوئی بھی سبب ہو، اور کتنا ہی غلبہ اور قوت اسے حاصل ہو جائے، مجرد اس کا وجود بلا واسطہ مرض پیدا کرنے کے لیے قطعاً کافی نہیں ہوتا، بلکہ اسباب محرکہ میں سے ایک یا زیادہ اسباب کا اضافہ ضروری ہے، کیونکہ یہی اسباب وہ فعال قوتیں ہیں جو براہ راست مرض پیدا کرنے کی ذمہ دار ہیں۔

اب ہم پھر اپنے اصل موضوع سخن پر لوٹتے ہیں۔

(۲) اسبابِ مُحرّکہ

اسبابِ مُعِدّہ پر گزشتہ اوراق میں کہیں گفتگو ہو چکی ہے، اب ہم اسبابِ مُحرّکہ پر ایک نظر ڈالیں گے، تاکہ صورتِ مسئلہ پورے طور پر منقح ہو جائے۔

اسبابِ مُحرّکہ سے ہماری مراد وہ اسباب ہیں جو عقلی امراض پیدا کرتے ہیں، یا براہِ راست ان کی پیدائش کے ذمہ دار قرار دئے جاتے ہیں، اسی لیے انھیں اسبابِ محرّکہ[۱] کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

طبعاً ان کی اہمیت اسبابِ مُعِدّہ سے زیادہ ہے، کیونکہ ان کے بغیر یہ امراض سرے سے پائے ہی نہیں جاتے، لیکن ترتیبِ زمانی کے اعتبار سے ان کا درجہ بعد میں آتا ہے، جیسا کہ سب جانتے ہیں۔

ان اسباب کو نفسیہ جسمانیہ کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ اسباب جسمانی اور عقلی عناصر کا مرکب ہوتے ہیں، نہ خالص عقلی ہوتے ہیں، نہ محض جسمانی، ان میں سے بعض پر جسمانیت کا رنگ غالب ہوتا ہے، اور بعض پر تاثیر نفسی یا عقلی کا غلبہ ہوتا ہے، اس موقع پر غلبہ کا لفظ دونوں حالتوں میں ضروری ہے کیونکہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ بعض اسباب خالص جسمانی ہوتے ہیں اور وہ ہرگز خالص عقلی نہیں ہوتے، تو یہ بات ثابت شدہ حقیقت کے خلاف ہو گی، ثابت شدہ حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک متماسک (باہم گرفت کرنے والی) وحدت ہے جو جسم اور عقل میں منقسم نہیں ہوتی، بلکہ جسم اور عقل سے ترکیب پاتی ہے، اس لئے جو چیز اس میں اثر کرتی ہو، اس کا بھی ایسا ہی ہونا ضروری اور ناگزیر ہے۔

---

[۱] Exciting Causes

کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مؤثر کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اثر کے لیے مناسب ہو یعنی سبب اور مسبب دونوں کا ہم جنس ہونا ضروری ہے۔

بخار اور عقلی امراض

مثلاً بخار بعض عقلی امراض کے اسباب محرکہ میں سے ہے، لیکن ہمیں تحقیق سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ بخار عقل پر جتنا اثر کرتا ہے، اس سے کہیں زیادہ جسم پر اثر انداز ہوتا ہے، یعنی بخار کے جسمانی آثار عقلی آثار سے زیادہ قوی ہوتے ہیں، کیونکہ یہ اسباب سب سے پہلے جسمانی جھلیوں کو متاثر کرتے ہیں، پھر ایک صفت ثانیہ کے طور پر شعور پر اثر کرتے ہیں، اور وہ مضطرب ہو جاتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو ایک طرح کی مدہوشی لاحق ہو جاتی ہے، یا ہذیانی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے، اور بسا اوقات ایسی کیفیت کے نمودار ہوتے ہی زبردست قسم کا انفعالی بحران پیدا ہو جاتا ہے، جسے مریض تپ کا بحران کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ گو بخار جسمانی کا سبب عقلی ہے، لیکن جسمانی تاثیر اس پر غالب ہے۔

نفس کا اِضطراب

نفس کا اضطراب ایسے عقلی مرض کے عقلی اور جسمانی اسباب محرکہ میں سے ہے جن میں تاثیر عقلی کا غلبہ ہوتا ہے یعنی اسکے آثار اور مظاہر جسمانی سے زیادہ عقلی ہوتے ہیں مضطرب شخص نہ اپنے نفس پر قابو پا سکتا ہے نہ ذہن کو حاضر کر سکتا ہے وہ صحیح طور پر سوچ بھی نہیں سکتا، لیکن اس کے باوجود جسمانی طور پر بھی متاثر ہوتا ہے

جس کا اظہار چہرہ کا رنگ بدلنے، گردن کی شریانوں کے تیزی سے پھڑکنے اور تنفس کی سرعت وغیرہ آثار کی صورت میں ہوتا ہے، جو انسان کو شدید نفسی اضطراب میں مبتلا ہونے والے شخص کے اندر بہت نمایاں طریقے پر نظر آتے ہیں۔ مثال میں ان لوگوں کو سامنے رکھیئے جو کسی شدید اور نازک قسم کے عتاب وخطاب میں مبتلا ہوں، یا خطرہ کی حالت میں مبتلا ہونے والے مریض کی طرف سے اندیشے کا شکار ہوں، یا کسی غائب شخص کی نسبت خبر سننے کے انتظار میں ہوں کہ خدا جانے اس کے بارے میں جو خبر ملتی ہے وہ اچھی ہوتی ہے یا بری؟

بعض اور اسباب

اس تمہید کی روشنی میں ہم بعض ایسے اسباب کا ذکر کرتے ہیں، جن میں جسمانی تاثیر غالب ہوتی ہے۔

(۱) بخار وغیرہ شدید قسم کے متعدی امراض (۲) شدید تکان جو خستگی کے درجے تک پہنچ جائے (۳) مخدر اشیا اور جڑی بوٹیوں کے استعمال سے اعصاب کا شل ہو جانا (۴) اندرونی آلات جسم میں نظام ہضم وغیرہ کا سُن ہو جانا۔

یہ باتیں کبھی کبھی عقل سلیم میں ابتری کا باعث ہوتی ہیں، اور خون کی تقویت، اور جسم کے نسیجوں اور اس کے مختلف غشاؤں کے لیے جتنی غذا کا جذب ہونا ضروری ہے، اس میں خلل انداز ہو کر مضر بنا دیتی ہے عقل وفہم میں خرابی اکثر اعصاب میں ابتری اور عقلی مرض کے ظہور کا سبب بن جاتی ہے۔

(۵) بعض حار (شدید) امراض مثلاً سل، فقر الدم (انیمیا) ذیابیطس سے

پیدا ہونے والی مزمن سمیت!

یہ اور ان سے مشابہ بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ جب مریض ان میں ایک طویل مدت تک مبتلا رہتا ہے تو اس کے بدن میں سمیت پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ امراض اس کی نشاط زندگی میں کمی کر دیتے ہیں۔

یہی امراض بعض اوقات شاذ یا انوکھے قسم کے عقلی رویے کا براہِ راست سبب بھی بن جاتے ہیں!

دماغ اور فکر

(۶) ایسے حارعصبی امراض مزمنہ جو بھیجے (دماغ) پر براہِ راست اثر کرتے ہیں ان سے عقل کمزور ہو جاتی ہے، یا پھر یہ امراض سخت قسم کے عقلی امراض کا باعث ہو جاتے ہیں، کیونکہ دماغ اور فکر کے درمیان ایک بہت بڑا اور مضبوط علاقہ ہے جس کا درہم برہم ہونا زندگی کا درہم برہم ہونا ہے۔

(۷) باطنی زخم، خصوصاً دماغ کے منطقے میں ——— یہ صورت کبھی دور طفولیت میں، یا اس کے بعد مغز پر اثر انداز ہوتی ہے، اور اس کی بدولت عقلی رویے میں بے قاعدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

(۸) شدید قسم کی لو لگنا ——— بعض اوقات اس مرض کی بدولت جسم کے اندر حرارت کی تقسیم اور انفعالی بحران میں ایک مستقل ابتری پیدا ہو جاتی ہے، اور اس کی مدت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جو عقلی توازن کے فقدان کا سبب بن جاتی ہیں!

یہ ان براہ راست اسباب کا مختصر بیان تھا جن پر جسمانی تاثیر غالب رہتی ہے مزید وضاحت درکار ہو تو طب جسمانی کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے، کیونکہ بیاں ان کا تفصیلی بیان ہمارے مقاصد اور ضرورت سے خارج ہے۔

تاثیر عقلی کا غلبہ

جن اسباب کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے وہ اس اعتبار سے خاصے ممتاز ہیں کہ ان کی علامات مادی ہوتی ہیں، اور اکثر حالات میں ایک ماہر طبیب انھیں آسانی سے پہچان لیتا ہے، اور گہری تحقیق کے ذریعہ ان کا تعین بھی کر سکتا ہے۔

رہے وہ اسباب جن پر تاثیر عقلی کا غلبہ ہوتا ہے، تو ان کے "جسمانی مادی" ہونے سے زیادہ "عقلی نفسیاتی" ہونے کے باعث ان کی تعریف اور تحدید دشوار معلوم ہوتی ہے، اس کام کے لیے ضروری ہے کہ حالات سے طویل بحث کی جائے مریض کے مختلف ادوار حیات کا جائزہ لیا جائے، اس کے بچپن اور طفلی کے زمانہ کے حالات معلوم کئے جائیں، جن کے متعلق تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ اکثر عقلی امراض اور نفسیاتی الجھنوں کے بیج اسی دور میں بوئے جاتے ہیں۔

ان اسباب کو ایک تجربہ کار ماہر نفسیات کے سوا کوئی شخص اچھی طرح سے نہیں پہچان سکتا۔ جو لوگ مختلف نفسیاتی طریقہ ہائے علاج کا انقسام رکھتے ہیں صرف وہی انھیں شناخت کر کے ان کے حدود قائم کر سکتے ہیں، اور انھیں گرفت میں لینے کی کوئی معقول اور مناسب تدبیر پیدا کر سکتے ہیں۔

انفعالی اضطرابات

چونکہ ان میں سے بیشتر اسباب بالآخر وجدانی یا انفعالی اضطرابات کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ انفعالات کو، اور حیاتِ عقلی پر ان کے اثرات کو ذرا شرح و بسط کے ساتھ بیان کریں۔

یہ انفعالات اپنے مختلف اقسام کے ساتھ شخصیت کی تکوین کے لیے ضروری ہیں، ایک متوازن اور طبعی عقلی زندگی کے لیے ان کا وجود بہت ضروری ہے، اس میں انفعالات کی مثال قلب کی سی ہے، اگر قلب صالح ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے، اور اگر کسی وجہ سے قلب فاسد ہو تو پورا جسم فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ قلب کا وجود جسم کی سربراہی اور طبعی و خوش گوار جسمانی زندگی کے تحفظ کے لیے نہایت ضروری اور لازمی ہے

جب انفعالات اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں اور انسان کی زندگی میں ان کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، جیسا کہ بڑھاپے کے بعض حالات اور عقل کی افسردگی کی صورت میں ہوتا ہے، تو پھر عقل بھی اپنا کام چھوڑ دیتی ہے یا کم از کم حیاتِ عقلی میں فساد پیدا ہو جاتا ہے، ابتری اور انتشار کے آثار و علائم ظاہر ہونے لگتے ہیں اور اس میں ایک جمود اور غفلت کی سی کیفیت رونما ہو جاتی ہے!

قلبِ انفعال

جس طرح قلب کا اپنے فرائض انجام دینے سے قاصر رہنا جسم کی موت کا

سبب بن جاتا ہے۔ اسی طرح انفعال کا اپنے فرائض ادا کرنے سے عاجز رہنا عقل کی موت کا باعث بن جاتا ہے، ایسی صورت میں حیات عقلی فساد اور افسردگی کی نذر ہو جاتی ہے، اس لیے کہا جاتا ہے ——— "انفعال عقل کا قلب ہے"۔

اور یہ سچ پوچھیے تو یہ بات چنداں موجب حیرت بھی نہیں، کیونکہ ہر انفعال ایک سرگرم قوت ہوتا ہے، جو انسانی ردِ عمل، فنی احساس اور ادبی شعور پر بڑا گہرا اثر رکھتا ہے۔

اگر انفعالات نہ ہوتے تو مصور عقل کو موہ لینے والی تصویر نہ بنا سکتا، نقاش خرد کو حیران کر دینے والے نقوش اپنے موقلم کی گردش سے تیار نہ کر سکتا، بت تراش سنگ رخام یا سنگ مرمر سے کوئی دلکش اور حسین و جمیل مجسمہ تیار نہ کر سکتا، شاعر لفظ و عبارت کے تانے بانے سے دلگداز اور وجد آور شعر نہ کہہ سکتا، جس سے خیالات میں ایک تموّج اور جذبات میں ایک زبردست قسم کی ہل چل پیدا ہو جاتی ہے، یہی نہیں، کوئی ادیب وہ شہ پارہ ادب نہ پیش کر سکتا جو دل میں آگ کے شعلے بھڑکا سکتا، نہ کوئی افسانہ نگار ایسا قصہ لکھ سکتا، جس سے عقل اور شعور میں ایک طوفان برپا ہو سکتا، نہ کوئی مغنی آواز اور نغمہ کے درمیان ترتیب و تالیف پر قادر ہوتا، جس سے درد آگیں راگ نکلتے ہیں اور کانوں کو سرور پہنچا کر دلوں کے تار ہلا دیتے ہیں، اور ایک نئی، بالکل نئی دنیا میں پہنچا دیتے ہیں۔

خیال و انفعال

جب خیال ہی فن کا مصدر ہو تو انفعال ہی وہ روشن اور جگمگاتا ہوا چراغ

قرار پاتا ہے۔ جو خیال کے اطراف و جوانب کو روشن کر دیتا ہے، یا یوں کہئے کہ انفعال ہی وہ روشن کرنے والا شعلہ ہے جو خیال کی آگ کو بھڑکاتا ہے اور اس کے نتیجہ خیز ہونے کی راہ کو منور کرتا ہے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ انفعالات ہی وہ جاندار یا جاتی جذبات ہیں جن سے انسان کے اعمال اور احکام سرزد ہوتے ہیں، تو آپ کا یہ قول بالکل مبنی بر حقیقت ہوگا۔ شائبہ مبالغہ سے یکسر پاک۔

یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ بچّہ کی زندگی پر فقط انفعالات ہی کا غلبہ ہوتا ہے، اگر آپ عوام کے اعمال کا تجزیہ کریں تو یہ ضرور معلوم کر لیں گے کہ بالآخر یہ اعمال انفعالی جوش کی حالتوں سے متعلق ہوتے ہیں، یہی حالتیں ان کے جوش و خروش کا مصدر اور منبع ہوتی ہیں اور بڑی بڑی خونریز لڑائیوں کا سبب بن جاتی ہیں، انہی حالتوں اور کیفیتوں کے باعث بادشاہ اپنے تخت و تاج کو ٹھکرا دیتا ہے، بلکہ سر تک کھو دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے، مدبر اور سیاست دان اپنی سوجھ بوجھ اور ذکاوت سے اپنی سیاست گری میں اگر کامیاب ہوتے ہیں، تو انہی کیفیات انفعالی کے باعث پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب تک کوئی لیڈر زبردست وجدانی شعور اور پرجوش جذبات کا مالک نہ ہو وہ سعی بسیار کے باوجود اپنی زندگی میں کامیاب نہیں ہوتا۔

تمدن کی بُنیاد

جس تمدن کی بنیاد محض ایسے فکر پر ہو، جو جذباتی تاثر سے خالی ہو۔ اور اسے بھی

تو اسے ترقی اور عروج مشکل ہی سے میسر آسکتا ہے، اور آبھی جائے تو وہ قائم نہیں رہ سکتا،

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ انفعالی قوت کبھی انسان کو بھلائی کی طرف متوجہ کرتی ہے، کبھی برائی کی طرف، اور اس سے جو رویہ وجود میں آتا ہے، عام اس سے کہ وہ فرد کا ہو یا ملّت کا، کبھی فائدہ بخش ہوتا ہے اور کبھی خطرناک ——— بلکہ نقصان دہ اور مضرت رساں ——— نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ زبردست انفعالی جوش، جس کا ذکر ابھی بار بار ہو چکا ہے، بعض اوقات عقل کی بنیادیں ہلا دیتا ہے، اور اس کی عمارت کو زیروزبر کر کے رکھ دیتا ہے شدید اور سرکش قسم کا انفعالی جوش جب قوم اور ملّت کو متاثر کرتا ہے تو اسے تباہی اور ہلاکت کے خوفناک غار میں دھکیل دیتا ہے، اس کی زندگی چھین لیتا ہے، اس کا وقار ختم کر دیتا ہے، اسے ذلت اور رسوائی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

استوار قسم کے رویّے کا حصول صرف عقل کو حاکم بنانے اور غضب ناک انفعالات کو ضبط کرنے اور انھیں صحیح رُخ کی طرف پھیرنے ہی پر منحصر ہے، باوجود اس کے کہ یہ بات سہل اور آسان ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تلوار ملامت پر سبقت کر جاتی ہے، انسان جوش کی رو میں بہہ جاتا ہے، اور عقل کے حکم دینے اور کسی فعل کے عواقب اور نتائج کو سوچنے سے پہلے کوئی نازیبا کام کر بیٹھتا ہے۔

عادت اور مشق

ساتھ ہی ساتھ اگر عادت ڈال لی جائے اور مشق کرلی جائے، تو اس بات کا

پورا پورا امکان ہے کہ انسان نفس پر قابو پالے اور غصہ پی جانے کی فضیلت حاصل کر لے ، اپنے انفعالات کا حاکم بن جائے ، اور ان کی لگام اپنے قبضہ میں رکھے ، ان کا بندہ اور فرمانبردار بننے سے انکار کر دے ، ان کی اطاعت کبھی اور کسی قیمت پر بھی اختیار نہ کرے

انفعالات کے غلبہ کے آگے سر جھکانا ، بچوں کی نمایاں صفات میں سے ہے ، اور ایک بالغ و ہوش مند شخص کے لیے یہ بات ہرگز مایۂ فخر و نازش نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنا مقام آپ نہ پیدا کرے ، اور بچوں کی صف میں پہنچ کر اپنے آپ کو انفعالات کا غلام بنا لے ،

اگر اپنے انفعالات کی تہذیب اور کسی حد تک بھی اپنے وجدان میں غور و فکر کو حاکم بنانا ہر فرد کے بس میں ہوتا تو دنیا ان متواتر اور پیہم مصیبتوں اور پریشانیوں زحمتوں اور الجھنوں کا شکار نہ ہوتی جن سے اسے برابر واسطہ اور سابقہ پڑتا رہا ہے ---------- بلکہ ایسا ہوتا کہ نوع انسانی خوش بختی اور سلامتی کی طرف لمبے لمبے قدم بڑھاتی ، بشریت اور انسانیت کو جن گوناگوں ذلتوں اور شقاوتوں سے واسطہ پڑتا ہے ، ان میں بہت کمی آجاتی ہے ، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہوتا تو عقلی امراض بھی اگر معدوم نہ ہو جاتے تو ان میں بڑی حد تک کمی آجاتی ؛ اور اس طرح انسان بہت سے مہلک عقلی اور ذہنی امراض کی زد سے اپنے آپ کو بچا لینے میں کامیاب ہو جاتا ۔

چند حقائق

ہم چاہتے ہیں کہ بعض ایسے حقائق کا اب بیان کریں جو صرف انفعالات

سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کے آثار جسم و عقل کی زندگی میں بیک وقت بہت نمایاں نظر آتے ہیں ——— یہ حقائق حسب ذیل ہیں :۔

(۱) خواہ کوئی انفعالی جذبہ ہو، جب وہ کمزور پڑ جاتا ہے تو ایسے جسمانی آثار چھوڑ جاتا ہے جو قوت و ضعف میں اس جذبے سے مناسبت رکھتے ہیں، یہی وہ چیز ہے جسے انفعال کا جسمانی اثر کہتے ہیں۔

(۲) جسمانی آثار جب برابر قوی ہوتے رہتے ہیں تو انفعال کی قوت بڑھا دیتے ہیں، بہ صورت شدید قسم کے جوشیلے انفعال کی حالت میں پیش آتی ہے ——— مثلاً جب غصہ پوری شدت کے ساتھ نمودار ہوتا ہے تو وہ اپنے ساتھ قریب قریب جسم کے آلات سمیت ایک شدید ہیجان اور اضطراب کو بھی لے کر نمودار ہوتا ہے۔

جسم کا ہیجان

غصہ جسم کو بھڑکاتا ہے اور جسم کا ہیجان غصہ کو قوت پہنچاتا ہے، اس طرح انسان ایک طرف تو جسمانی آلات کے ہاتھوں کھلونا بن جاتا ہے، دوسری طرف انفعالات کی بدولت اس کی یہی گت بنتی ہے، یہاں تک کہ جب غصہ کا جوش تسکین پاتا ہے، یا جسم کی قوتیں خشک ہو جاتی ہیں تو اس میں افسردگی اور برودت پیدا ہونے لگتی ہے، جس کے ساتھ ساتھ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انفعال کا شعلہ بھی بجھ جاتا ہے ——— یہ وہ خاک ہے جسے انفعال میں جسمانی تاثر کے نام سے موسوم کرتے ہیں، ——— بعض اوقات وہ ایسے

اورکمزور انفعالات کے مقابلہ میں ڈھیلا پڑجاتا ہے جو کچھ عرصہ تک باقی رہتے ہیں، اور آہستہ آہستہ اس کی مستعدی اور سرگرمی کو ختم کر دیتے ہیں، بعض اوقات ان طویل المدت کمزور انفعالات کا پیہم ہیجان عقل کو کمزور کر دیتا ہے، اور اس کی قوت برداشت سست ہوکر ہر قسم کے شدید انفعالی ہیجان کے آگے سپر ڈال دیتی ہے خواہ اس کیفیت کی مدت کتنی مختصر ہی کیوں نہ ہو، اس لیے عقل پر طویل المدت لیکن کمزور انفعالات کا اثر ہنگامی قسم کے شدید انفعالات سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) اکثر نفس انسانی کی قوتوں اور انفعالی جذبات میں توافق اور تناسب کی کمی پیدا ہو جاتی ہے جس کا سبب جبلی جذبات میں اختلاف اور تعین سمت میں کش مکش ہوتا ہے، کیونکہ بعض اوقات اجتماعی جبلتوں اور انفرادی جبلتوں کے درمیان تنازع پیدا ہو جاتی ہے

محبّت اور اطاعت

کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ محبت ظہور کی جبلت اور محبت اطاعت کی جبلت میں باہم تضاد پیدا ہو جاتا ہے، اور کبھی محبت تملک (مالک بننے کی محبت) اور اجتماعی جبلت میں مقابلہ ہونے لگتا ہے، کبھی ان میلانات کی کشاکش سے شخصیت کے اندر بے قابو ہونے کی صلاحیت اور کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ عقلی کشمکش ہمیشہ نفس کو بے چین نہیں رکھ سکتی، اور نہ دوامی طور پر اس کی عمارت کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔

اس لیے یا تو مخالف خواہشات کے درمیان توافق مکمل ہو جاتا ہے اور یہ معمولی طریقے پر ہم آہنگ ہو جاتی ہیں، ان کے درمیان اُلفت پیدا ہو جاتی ہے اور اُلجھن بالکل نیست ونابود ہو جاتی ہے ــــــــــــــ یا پھر نزاع میں شدت اور سختی آجاتی ہے، اور توافق کے دشوار ہونے کے باعث بعض خواہشات حیاتِ عقلی کو متاثر کر کے اپنا مقصود پورا کرتی ہیں، اور اس طرح عقل وجسم کے توازن میں خلل واقع ہو جاتا ہے، اور عقلی یا بدنی امراض اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

امراض کی مثال

اس قسم کی کشاکش سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان کی ایک مثال جنگ زدہ سپاہیوں میں ملتی ہے، جو جنگِ عظیم سے دوچار ہو چکے ہیں، اور اس کی ہولناک تباہیوں اور ہیبت ناک بربادیوں کو اپنی آنکھ سے دیکھ چکے ہیں۔

میدانِ جنگ کے بموں نے انھیں حواس باختہ کر دیا تھا، گولے پھٹنے کی آواز ان کا فراغِ خاطر چھین چکی تھی، قتل، ہلاکت اور بربادی کے زہرہ گداز مناظر نے انھیں نیم مردہ کر دیا تھا، صبح ہوتی تو ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا دیکھا جاتا جس کے افراد کی آنکھیں تو ہوتیں مگر ان سے کچھ دکھائی نہ دیتا، اور شام ہوتی تو دوسرا گروہ اس حالت میں پایا جاتا کہ اس کے افراد کے کان تو ہوتے، مگر ان لوگوں کی قوتِ سماعت سلب ہو چکی ہوتی، اسی طرح ان سپاہیوں میں ایک گروہ ایسا بھی ملتا ہے جو ناک رکھنے کے باوجود کچھ نہیں سونگھ سکتا ــــــــــ یہ صورتیں بقائے نفس کے لیے دماغ کی حیثیت رکھتی تھیں، اور دماغ نفس کی جبلت اور شجاعت

میدان جنگ میں ادائے فرض کی جانب میلان کے درمیان جو کش مکش برپا تھی اس کے سلجھانے کا ایک وسیلہ بن گئی تھیں،

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ بینائی کا زائل ہونا نفس کو دردناک اور پرخطر مناظر دیکھنے سے باز رکھتا تھا۔ سماعت کا فقدان، گولوں اور بموں کے پھٹنے کی آواز سننے سے بچاتا تھا، اور قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) کا زوال اس مکروہ بدبو سے محفوظ رکھتا تھا، جو خندقوں اور کھلے میدان میں رچ بس چکی تھی، اور مدت سے پڑی ہوئی لاشوں کے باعث ہوا میں منتشر ہوتی رہتی تھی۔

نفسیاتی کشمکش

نفسیاتی کشمکش کا یہ دردناک حل صرف غیر معمولی قسم کی زندگی ہی تک محدود نہیں ہے (جیسے میدان جنگ کے احوال)، بلکہ بعض اوقات اس کا اظہار معمولی حالات میں بھی ہوتا ہے، اکثر مرد اور عورت ایسے جسمانی یا عقلی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں جو زندگی کے حالات اور تغیرات کی کشاکش میں ناکام رہنے کا نتیجہ ہوتے ہیں، اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو محبت یا ازدواج میں یا اپنے شخصی مقاصد مثلاً اجتماعی و مالی مدارج یا سیاسی قیادت وغیرہ کے حصول میں ناکام رہتے ہیں، یا وہ لوگ جو کسی قریبی عزیز یا محبوب کی موت پر سخت بے قرار ہو جاتے ہیں، یا اپنی شہرت اور آبرو کو بٹہ لگنے وقت رنجیدہ ہو جاتے ہیں، اور اس غم کو برداشت نہیں کر پاتے

مشکلات

یہ سب صورتیں اور ان کے علاوہ اور بہت سی مشکلات زندگی میں پیش

آتی ہیں جن کی حدو نہایت نہیں، یہ مشکلات ایسی ہیں جو انسان کے نفسی اضطراب کا باعث ہو جاتی ہیں، جب اس ابتلا کو کافی مدت گزر جاتی ہے تو عقل میں ان کا مقابلہ کرنے کی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ اور بالآخر انسان میں عقلی امراض نمودار ہو جاتے ہیں۔

اس موقع پر عقلی زندگی کے برے آثار کا ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو انفعالات کی پامالی، اطفال سے بدمعاملگی اور دور طفولیت میں سخت اور ناروا پابندی کے باعث بڑھاپے میں یا زیادہ سن کو پہنچ کر نمودار ہوتے ہیں، کیونکہ انفعالات کی پامالی اور بچپن میں ان سے دل گرفتہ ہونا، بعض اوقات ایسی نفسیاتی الجھنوں کا سبب بن جاتا ہے، جو نفس کے اندر ہی اندر چھپتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ زیادہ عمر کو پہنچ کر اس کے آثار رونما ہوتے ہیں، یا پھر عصبی اور عقلی امراض میں مبتلا ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

عقلی امراض کی تقسیم

عقلی امراض کی تقسیم کے لیے جس سبب کو بہترین قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ وہی ہے، جس سے مرض پیدا ہوتا ہے، اس بنیاد پر عقلی امراض کی تین قسمیں قرار پائی ہیں۔

(۱) **عضوی امراض** ———— یہ وہ امراض ہیں جو مغز دماغ یا اس کے نسیجوں اور شریانوں کی تکوین میں نقص یا خلل کے باعث پیدا ہوتے ہیں اس کی مثال وہ عقلی امراض ہیں جو بڑھاپے یا جزوی فالج سے پیدا ہوتے ہیں،

(۲) وظیفی امراض

یہ وہ بیماریاں ہیں جن کے ساتھ کوئی عضو اپنے اندر خرابی واقع ہو جانے کے باعث اپنا پورا کام کرنے سے عاجز رہتا ہے، اس کی مثال مختلف صورتوں میں پایا جانے والا جنون ہے، جس میں بلوغ کا جنون، ہوس، مرگی، خوریا، اور مالیخولیا وغیرہ شامل ہے۔

(۳) تسمّمی امراض

ان امراض کے ساتھ بعض اجزائے جسم کے اندر سمّیت پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً وہ بیماریاں جو الکحل آمیز اشیا کے تسمّم سے پیدا ہوتی ہیں، یہاں ان امراض کی تعداد اور ان میں سے ہر ایک کے عوارض بیان کرنے ضروری نہیں معلوم ہوتے جو شخص مزید وضاحت چاہتا ہو۔ اسے اس موضوع سے متعلق طویل اور ضخیم کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس جگہ ہم صرف اسی مختصر سے بیان پر اکتفا کرتے ہیں، ہم نے جن امراض کا ذکر کیا ہے یہ عہد حاضر کے اکثر اطبا کی رائے کے مطابق عام طور پر پائے جاتے ہیں۔

مرض کی تشخیص

اب ہم ایک دوسری بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہ ہے مریض کے حالات و کوائف سے واقفیت اور اس کے مرض کی تشخیص!

نفسیاتی طبیب مریض پر صرف سطحی نظر ڈال لینے ہی پر اکتفا نہیں کرتا نہ محض موجودہ حالت کے معائنے پر قانع ہو جاتا ہے، وہ علاج شروع کرنے سے پہلے

امور ذیل کی وضاحت اور ان کی نسبت کامل واقفیت ضروری سمجھتا ہے۔

(۱) مرض کی اصلیت باقاعدگی کے ساتھ۔

(۲) مرض کے وہ مرحلے جن سے ابتدائی علامات مرض کے ظہور سے اب تک گزر چکا ہے۔

(۳) مریض کی تاریخ حیات، عمومی حیثیت سے اس ضمن میں وہ اہم حوادث بھی داخل ہیں جو اس کے عمومی طرز زندگی پر کسی خاص پہلو سے اثر انداز ہو چکے ہوں۔

(۴) جس خاندان سے مریض متعلق ہے اس کی تاریخ زندگی اور اس خاندان کے افراد کے مابین اس مرض یا اس سے مشابہ امراض کی اشاعت اور اس کی حدو مقدار۔

مریض کا بیان

یہ بات ضروری ہے کہ طبیب مریض کا حال معلوم کرنے میں تنہا مریض کے بیان پر بھروسہ نہ کرے، کیونکہ بعض اوقات مریض اپنے متعلق دعوے کرتا ہے۔ کہ وہ صحیح وسلامت اور بالکل تندرست ہے، اس کی عقلی زندگی معمول کے بالکل مطابق ہے جس میں نہ کوئی انوکھا پن ہے نہ بے قاعدگی، اس کے قدم زندگی کے راستے پر صحت اور کامیابی کے ساتھ پڑ رہے ہیں۔ اور وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والوں اور مخالفوں کے ختم کر ڈالنے کی تدبیروں میں کامیاب ہو رہا ہے ——" اگر وہ ایسا کہتا ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ مجنوں شخص اکثر اپنے آپ کو سب سے زیادہ عقلمند اور صائب الرائے سمجھتا ہے، اور اپنے اندازوں کو بالکل صحیح اور

درست سمجھتا ہے

مریض کی کوتاہی

اسی طرح ایک بات یہ بھی ہے کہ مریض اپنے مرض کی پوری تاریخ، مکمل شرح و بسط کے ساتھ بیان نہیں کرسکتا، کیونکہ بعض اوقات اس کی روانی میں فرق آجاتا ہے قوت حافظہ خیانت کر بیٹھتی ہے، اور خیال، حقائق کی شکل و صورت کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے ہوتا یہ ہے کہ ہر مریض میں اتنی قدرت نہیں ہوتی کہ اپنی پیدائش کے وقت سے طبیب کے معائنے تک کی زندگی کی تاریخ یا اپنے خاندان کی زندگی کی تاریخ تفصیل اور تکمیل کے ساتھ بیان کرسکے، یا ان لوگوں کا ذکر کرسکے جو اس کے خاندان میں اس کی سی بیماری میں مبتلا ہوئے تھے، یا محفوظ رہے تھے، اس لیے یہ ایک بہت ضروری بات ہے کہ ان سب معاملات میں مریض سے تعلق رکھنے والے اقربا اور احباب کی جانب رجوع کیا جائے، تاکہ مرض کے ارتقا اور اس کے احوال و تغیرات کے ساتھ اس کی اور اس کے خاندان کی تاریخ زندگی معلوم ہوسکے، اس لیے کہ یہ لوگ ان حالات کو زیادہ باریک بینی اور تحقیق کے ساتھ بیان کرسکتے ہیں، جنھیں مریض بعض اوقات چھپا جاتا ہے، یا یہ واقعات ——— اس کے ذہن سے نکل جاتے ہیں!

تاریخ مرض

غرض تاریخ مرض سے واقفیت ہونا بہت ضروری ہے، کیونکہ ہر عقلی

مرض کی ایک معین تاریخ اور خاص اوقات کا ہونا بہت ضروری ہے ۔ اور ان دونوں باتوں کا قاعدے اور سلیقے کے ساتھ جاننا لازمی اور ضروری ہے

تشخیص کے خصوص میں صرف علامات کا علم کافی نہیں ہوتا ، کیونکہ علامات مختلف امراض میں خلط ملط اور متشابہ قسم کے پائے جاتے ہیں ، جیساکہ مالیخولیا کے اقسام میں دیکھا جاتا ہے ۔

خود مریض کی زندگی سے واقفیت بسا اوقات مرض کا انکشاف کر دیتی ہے جیساکہ ان امراض میں ہوتا ہے جو عہد طفلی میں تشکیل پانے والی نفسیاتی الجھنوں سے پیدا ہوتے ہیں

مریض کے خاندان سے متعلق معلومات کا حصول بعض اوقات اصلیت مرض سے واقفیت میں کافی مدد دیتا ہے ، اور معالجہ میں اس واقفیت سے بڑی مدد ملتی ہے !

مریض کی نفسیاتی حالت کا پتہ لگاتے وقت ذیل کی علامات پر خصوصیت کے ساتھ توجہ مبذول کرنی چاہیئے ،

خاص خاص علامات

(۱) مریض کا عام بشرہ ، رویہ اور معاملات میں اس کے طور طریقے ،

(۲) مریض کا عام طرز فکر ، اور وہ افکار یا خیالات جو اس کے ذہن میں وارد ہوتے رہتے ہیں ۔

(۳) اس کے خیالات کے درمیان توافق یا تخالف کی مقدار یا حد ،

(۴) کس قسم کے مبادی یا افکار اس کے نفس کو بے چین اور خیالات کو مشغول رکھتے ہیں ۔!

(۵) باریک مباحث، اور فکر کی گہرائی میں اس کی قدرت کے کیا حدود ہیں؟ اور مشکلات زندگی کو حل کرنے میں اس کی کوشش کس حد تک کامیاب ہوتی ہے؟

(۶) وہ طبیعی یا اجتماعی موثرات سے کہاں تک گھرا ہوا ہے؟ ان طبیعی یا اجتماعی موثرات سے جلد متاثر ہونے اور ان کے تقاضوں کو لبیک کہنے میں وہ کتنی مقدرت رکھتا ہے؟

(۷) گفتگو میں اس کا رویّہ اور تخاطب یا مناقشہ کی حالت میں اس کا اسلوب کیا ہوتا ہے؟

ان تمام امور سے کامل واقفیت صرف اسی وقت ممکن ہے جب طبیب یا معالج ماہر فن ہو، اور دِقّت نظر کے ساتھ حالات و کوائف کا تجزیہ کر سکتا ہو۔ علاوہ ازیں اس کا انحصار ان اصولوں کی خاص رعایت یا تحقیق پر بھی ہے جن پر نفسیاتی علاج کی بنیاد قائم ہے ——— وہ اصول کیا ہیں، ان پر آگے چل کر ہم نسبتہً وضاحت کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

اُصولِ علاج

جس پر نفسیاتی معالجہ قائم ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کل نفسیاتی علاج ہیں جن اصولوں کا صحیح طریق پر اتباع کیا جاتا ہے، ان کا انحصار اُن علمی اصولوں کی واقفیت پر ہے جن پر معالجہ اپنے مختلف نفسیاتی طریقوں کے ساتھ قائم ہے، عام اس سے کہ وہ علاج نفسیاتی امراض کا ہو، یا جسمانی امراض کا،

ارسطو کی دریافت

ان اصولوں میں سب سے پہلے اس تعلق کا بیان مناسب معلوم ہوتا ہے جو جسم اور عقل کے درمیان پایا جاتا ہے کیونکہ یہ بات اب شک وشبہ سے صاف ہو چکی ہے کہ جسم اور عقل کے درمیان یعنی جسمانی مادی حالات اور عقلی یا نفسیاتی حالات کے مابین ایک استوار علاقہ موجود ہوتا ہے۔

اس علاقہ کو ارسطو نے دریافت کیا تھا، بقراط نے اس کو برقرار رکھا، اور جالینوس نے اس کی تشریح کی، پھر فلاسفۂ عرب نے مزید شرح و اضافہ سے کام لیا اور انہی کے نقشِ قدم پر جدید فلاسفۂ عالم گامزن ہوگئے، جن میں ڈیکارٹ سب

سے پیش پیش ہے،

اس علاقہ کا مطلب یہ ہے کہ عقلی حوادث کا اثر جسمانی حالات پر ضرور ہوتا ہے، اور جسمانی حوادث عقلی حالات پر لازماً اثر انداز ہوتے ہیں، اس لیے جسمانی مرض لازمی طور پر کسی عقلی مرض کا موجب ہوتا ہے، اور عقلی امراض جسمانی امراض کی پیدائش کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

جسم کی صحت عمومی طور پر اور اعصاب کی صحت خصوصی طور پر عقل کی صحت اور سلامتی کا باعث ہوتی ہے، اسی طرح عقل کی صحت فکر اور سوجھ بوجھ کی سلامتی اور استوار مبادیات اور صحیح عقائد کے ساتھ جسم کی سلامتی اور امراض سے اس کے محفوظ رہنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

ایک قدیم مقولہ ہے "صحیح عقل، صحیح اور بھلے چنگے جسم میں ہوتی ہے" آج کل بھی یہ کہاوت زبان زد عام ہے کہ "صحیح جسم صرف صحیح عقل ہی کے ساتھ پایا جاتا ہے"۔

یہ موقع ایسا ہے کہ اس نظریہ کی صحت پر ہمیں ذرا تفصیل سے گفتگو کرنی پڑے گی، یہ نظریہ جدید علم نفسیات کا جزو لاینجزی اور نفسیاتی علم علاج کا سنگ بنیاد بن چکا ہے۔

ایک اہم نظریہ

اب ہم ان تمام دلائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے عقل کی رفتار اور عقلی اعمال پر مادی جسمانی حالات کے اثرات کا ثبوت ملتا ہے، اس کے بعد ان دلائل کو پیش کریں گے جن سے اس نظریہ کے خلاف ثبوت ملتا ہے۔ یعنی یہ ثابت

کرنا ہے کہ عقلی حالات جسم اور جسمانی وظائف پر اثر انداز ہونے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں

چند صورتیں

پہلی قسم میں حسب ذیل صورتیں داخل ہیں۔

(۱) مادی خرابی (۲) کمزوری (۳) مرکزی عصبی نظام میں اضطراب (۴) عقل یا عقلی تصرفات میں خلل، (۵) غذا، اور دوا ــــ یا جڑی بوٹی اور غدی افرازات اور مخدر اشیا کے بارے میں یہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ یہ سب چیزیں عقل پر ضرور اثر کرتی ہیں۔

تجربات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اغذیہ میں خاص طور پر تغیر کیا جائے تو اس سے مزاج میں بڑا تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض اطبا کا مشاہدہ ہے کہ قتل کے مجرمین کو ایک خاص قسم کا کھانا اگر کھلایا جائے تو ان کی طبیعت کا جرائم کی طرف میلان بہت کم ہو جاتا ہے، اسی طرح بعض دواؤں اور جڑی بوٹیوں کو ہمیشہ استعمال کرتے رہنا، مزاج میں محسوس قسم کا تغیّر، اخلاق میں ترقی، اور جرائم سے بُعد اور دوری کے اثرات باقاعدہ دیکھے جاتے ہیں۔

غدّی افرازات

عہد حاضر میں اطبا جن نتائج پر پہنچے ہیں ان میں غدی افرازات کی تنظیم ان کے نقائص کی تکمیل اور زیادت کی تنقیص ممکن ہے، اور یہ کام ایسی دواؤں کی

جلدی بیماری سے ہو سکتا ہے جو ان کمزور افرازات کو قوی اور قوی افرازات کو کمزور بنا دیتی ہیں، اس طرح مزاج میں اعتدال پیدا کیا جا سکتا ہے، اور اسے بڑی حد تک متغیر کیا جا سکتا ہے۔

ڈیکارٹ کا قول

ڈیکارٹ نے سولھویں صدی میں جو یہ کہا تھا!

کسی ایسے وسیلے کا اگر امکان ہو جس سے انسان کو علی العموم موجودہ حالت سے زیادہ عقلمند، زیادہ قادر اور زیادہ رتبے والا بنایا جا سکے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عقل کا مزاج بدلا جا سکتا ہے اور اعضائے جسم کی حالتوں میں تغیر پیدا کیا جا سکتا ہے ——

—— میرا عقیدہ ہے کہ اس وسیلے کو دنیائے طب میں تلاش کرنا بہت ضروری ہے"!

(۳) تھکا دینے والی جسمانی مشقتوں کے بعد عقلی تکان کا مشاہدہ

(۴) شدید جسمانی امراض اور حار بخاروں کے بارے میں ثابت ہے کہ ان کے بعد عقلی امراض رونما ہو جاتے ہیں، یا کم از کم عقلی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے

ڈاکٹر محمد ولایت بک کی رائے ہے کہ جنون کی تمام اقسام میں ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل آٹھ اسباب میں سے کم از کم دو، ورنہ زیادہ اسباب پائے جائیں

جنون کے اسباب

وہ اسباب جن میں سے چند کا بہ حالت جنون و دیوانگی پایا جانا بہا ضروری

ہے، یہ ہیں،

(۱) مہلک اشیا کا استعمال،

(۲) مضر اشیا کے اثرات کا مقابلہ کرنے والے اعضا کی کمزوری

(۳) اعلےٰ درجہ کی غذائی قیمت رکھنے والی اشیا کا استعمال نہ کرنا، یا ان کا ہضم نہ ہونا۔

(۴) ہضم کے وظائف میں خلل،

(۵) جسم کے نسیجوں کے اندر کافی مقدار میں وٹامن کا موجود نہ ہونا،

(۶) نسیجوں کے اندر معدنی نمکیات کی کمی،

(۷) غدود صما کے افعال میں کوتاہی، خرابی یا نقص،

(۸) دوسرے متنوع اسباب، مثلاً مغز دماغ کا ہل جانا، لولگنا، اور مخدر اشیا کا بکثرت استعمال!

(۵) وہ متنوع تجربات جو سائنس دانوں نے نفسیاتی تجربہ خانوں میں بعض حیوانات کے بچوں پر کئے ہیں تاکہ ان کی مدد سے یہ نظریہ وضاحت کے ساتھ ثابت کیا جا سکے۔

مرغوب کھانے

(۴) مرغوب کھانے، یا لذیذ شراب (مشروبات یعنی شربت وغیرہ) کا استعمال نفس کو راحت پہنچاتا ہے۔ موسم گرما میں ٹھنڈے پانی سے، اور موسم سرما میں نیم گرم پانی سے غسل کرنا اعصاب کو تسکین اور نفس کو سرور و سکون

اور نشاط و مسرت بخشتا ہے۔

دوسرا پہلو

جن باتوں سے عقلی حالات کے اثرات جسمانی حالات پر ثابت ہوتے ہیں وہ بھی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) جسم میں وجدانی حالات اور شدید انفعالات کے اثرات مشاہدہ میں آتے ہیں جیسے اعضائے جسم میں پیدا ہونے والے مختلف اضطرابات کا حال ہے ——— مثلاً خجالت کے وقت چہرے کی سرخی اور خوف کے وقت چہرے کا زرد ہو جانا، خطرے کی حالت میں جسم میں کپکپی، غم کے وقت پیٹھ یا شانے کا جھک جانا، فرحت اور سرور کے عالم میں گانا، گنگنانا، کودنا، اچھلنا،

(۲) اسی طرح جسم کی صحت پر شدید انفعالات کی تکرار کے اثرات بھی دیکھے جاتے ہیں۔

خوف کی مثال

یہاں ایک خاص پہلو سے خوف کی مثال دی جاتی ہے، مثلاً بہت سے اداکاروں کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب وہ پہلی بار عوام کے سامنے آتے ہیں، تو ان پر دہشت طاری ہو جاتی ہے، غش کھا جاتے ہیں یا ان پر عصبی دورے پڑنے لگتے ہیں، زبان لڑکھڑانے لگتی ہے اور ان پر سخت پریشانی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ایسی صورت غصہ کی ہے جس وقت کسی شخص کا غصہ اپنی طبعی حد سے تجاوز

کر جاتا ہے تو اس کی جان تنگ بن جاتی ہے ـــــ گذشتہ اوراق میں یہ بات کافی شرح و تفصیل کے ساتھ زیر بحث آچکی ہے ۔

(۳) جب انسان کوئی کام کرنے چلتا ہے اور اسی پر غور و فکر کرتا ہے کہ یہ کیسے انجام پائے گا؟ اور اسے کیونکر اتمام کے درجہ تک پہنچایا جائے گا؟ تو اس میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ، مثلاً جو شخص چلتے چلتے اپنی حالت کو سوچنے لگتا ہے ، اس کے قدموں کے حرکات میں اضطراب کا پیدا ہو جانا یقینی ہے یا جو شخص پڑھتے وقت یا لکھنے کی حالت میں یا تقریر کے دوران میں اپنی حالت پر غور کرتا ہے اور یہ سوچنے لگتا ہے کہ کیونکر پڑھے؟ کیسے لکھے؟ کس طرح تقریر کرے؟ تو وہ نہ اچھی طرح پڑھ سکتا ہے ، نہ کامیابی سے تقریر کر سکتا ہے ، نہ خوبی سے لکھ سکتا ہے ، اور جو شخص یہ سوچتا ہے کہ وہ کیسے سوئے گا؟ اور کب سوئے گا؟ تو اسکی نیند اڑ جاتی ہے وہ کروٹیں بدلنے لگتا ہے اور بیداری کے روگ کا شکار ہو جاتا ہے

وہم اور وسواس

(۴) وہم ـــــ وسواس یا کسی بات کی دھن لگ جانے کا جو اثر صحت جسمانی پر ہوتا ہے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ،

مثلاً بعض ڈاکٹروں نے ایک بھلے چنگے شخص کو اس وہم میں ڈال دیا کہ وہ بیمار معلوم ہوتا ہے ، تو وہ اپنے اندر وہ مرض کے آثار و علائم محسوس کرنے لگا اور واقعی بیمار پڑ گیا ، جب ان ڈاکٹروں نے اسے خبر دی کہ اس کی صحت گر رہی ہے اور مرض بڑھ رہا ہے ، تو اس کی بیماری بڑھ گئی ، اور لب گور ہو گیا ، یہ طبیب اس

کے وہم میں برابر اضافہ کرتے رہے، آخر ایک روز اس سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اب وہ نہیں بچ سکتا، گھڑیوں کا مہمان ہے، اب چلا اور اب چلا، اس کا اثر یہ ہوا کہ واقعی اس کی سانس جانے لگی، موت اس کے بہت قریب پہنچ گئی۔

پھر ان ڈاکٹروں کو اس پر ترس آیا تو انھوں نے اس کے دل میں یہ خیال پیدا کرنا شروع کیا کہ اس کی صحت اچھی ہوتی جا رہی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ واقعی اس کی صحت اچھی ہونے لگی۔ اب وہ اس کے خیالات کو صحت کی طرف برابر رجوع کرتے رہے یہاں تک کہ وہ بالکل توانا اور تندرست ہو گیا۔

اس طرح جو خیالات غیر کی طرف سے یا خود اپنے آپ دل میں ڈالے جاتے ہیں صحت اور بیماری کی حالت پر ان کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے، ان خیالات و افکار کی اگر تائید ہو تو مرض قوی ہو جاتا ہے، اور اگر یہ خیالات مرض کے خلاف کریں، تو مرض خود بخود کمزور پڑ جاتا ہے، اور بالکل ختم ہو جاتا ہے۔

جسمانی اور عقلی امراض کا رابطہ

لیڈی ڈاکٹر الزبتھ سیورون اپنی کتاب "نفسیاتی علاج" میں امراض عقلی، اور امراض جسمانی کے مابین واسطے اور تعلق کے موضوع پر بحث کرتی ہوئی کہتی ہے:

"میں نے عقلی امراض کی تشخیص کے دوران میں جو خاص تجربات کئے ہیں ان کی بدولت اس قاعدے کی صحت کا یقین ہو گیا ہے کہ عقلی وظائف میں جتنے اضطرابات پیدا ہوتے ہیں خواہ وہ شعوری ہوں یا غیر شعوری، خاص خاص جسمانی اضطرابات سے ان کا بڑا استوار، اور مضبوط تعلق پایا جاتا ہے"

امراض کے واسطے اور رابطے

اس کے بعد ڈاکٹر موصوف نے اس قاعدے کی کامل وضاحت کی اور بیان کیا کہ جسم کے اعضا میں سے ہر عضو کے مرض کے ساتھ ایک نفسیاتی مرض بھی لگا رہتا ہے۔ مثلاً مرضِ قلب اور وجدانی اضطرابات کے درمیان، مرضِ طحال اور کسل و کاہلی کے درمیان، معدہ کے اضطرابات اور ملال و تنگ دلی کے درمیان، گردہ کے مرض یا آنتوں کے وظائف کی سستی اور نکمے پن کے درمیان ایک خاص علاقہ پایا جاتا ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح جگر کی بیماری کے ساتھ بدگمانی و تنگ دلی اور لوگوں سے برتاؤ میں سختی کی حالت موجود ہوتی ہے۔ گھٹنے کے درد اور تردد کے مابین پنڈلی اور پاؤں کے درد اور صبح صبح نہ اٹھ سکنے کی کیفیت کے درمیان یا گٹھیا اور تکان اور عمل کی حد بندی اور اس کے بے جد جہد کے درمیان بڑا گہرا تعلق اور ربط پایا جاتا ہے۔

استوار علاقہ

اس قاعدہ کی تفصیلات میں خواہ صحت ہو یا غلطی لیکن عام حیثیت سے وہ اس امر پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ جسمانی امراض اور نفسیاتی امراض کے درمیان ایک استوار علاقہ ہوتا ہے، یا دوسرے الفاظ میں یہ قاعدہ اس بات کی دلیل ہے کہ عقل کے ساتھ جسم کا جو ربط اور تعلق پایا جاتا ہے، وہ ایک حقیقت ہے، شک و شبہ سے بالکل بالا اور ارتیاب و تذبذب سے الگ۔

یہ قاعدہ نفسیاتی علاج کی بنیادوں میں سے سب سے پہلی بنیاد ہے اگر یہ نہ ہو تو نفسیاتی وسائل سے جسمانی مرض کا، اور جسمانی وسائل سے نفسیاتی امراض کا علاج ممکن نہ ہوتا۔

دوسرا اصول

بعض غیر صحیح عقلی حالات کبھی کبھی عادی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، اس کے بعد کچھ زمانہ گزرنے پر جسم کے وظائف اور اعمال میں اضطرابات بھی پیدا ہو جاتے ہیں بعض اوقات انسان نہایت کمزور اسباب، واہی تباہی افکار، شک، نفسی بے چینی، وسوسہ یا بغیر کسی معقول وجہ کے بیماری کے وہم اور اندیشہ سے اوہام و ظنون کا شکار بن جاتا ہے، یا ہمیشہ باطنی غور و فکر، یا مراقبہ نفس میں مصروف رہنے سے بھی ایسی حالت میں کہ نفس اپنا کام انجام دے رہا ہو ایسی حالت میں مبتلا ہو جاتا ہے، جب اس قسم کے بعض حالات مرور زمانہ سے نفس پر قابو پا لیتے ہیں، اور ان کی رفتار میں شدت پیدا ہو جاتی ہے تو یہی امراض جو حقیقت میں عقلی تھے جسمانی امراض پیدا کرنے کا سبب اور ذریعہ بن جاتے ہیں، یا کم از کم عام جسمانی کمزوری کی شکایت لاحق ہو جاتی ہے۔

تیسرا اصول

جب اس قسم کے مریض میں عقلی حالات کی تبدیلی صحیح عقلی حالات سے ممکن ہوتی ہے، تو سابق الذکر جسمانی اضطرابات اور آلام کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، اور

ان میں اس وقت تک تخفیف جاری رہتی ہے جب تک یہ آلام بالکل زائل نہ ہوجائیں

ہم میں سے ہر شخص ان اضطرابات سے واقف ہے جو خوف، غم یا غصہ کے وقت اس کے باطنی آلات کے اندر رونما ہوتے ہیں یا ظاہری جسم میں تغیر کی بدولت ظاہر ہونے لگتے ہیں، لوگ اس سے بھی آگاہ ہیں کہ جب یہ انفعالات بار بار واقع ہوتے ہیں، اور انسان ان کے چنگل میں پھنس جاتا ہے تو بعض اوقات جسمانی امراض بھی پیچھے لگ جاتے ہیں، اور جب آدمی انفعالات کو ضبط کرنے کے وسائل میں سے کسی وسیلہ کے باعث ایسے انفعالات کی شدت کم کرنے پر مقدرت حاصل کر لیتا ہے تو ان اضطرابات میں تخفیف ہو جاتی ہے اور ان کے باعث مترتب ہونے والے امراض کا دباؤ ہلکا ہو جاتا ہے پھر یہ تخفیف برابر جاری رہتی ہے یہاں تک کہ یہ اضطرابات یکسر زائل ہو جاتے ہیں اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہ جاتا!

چوتھا اصول

شدید انفعالی صدمات بعض اوقات نظام عصبی کے وظائف میں سخت خرابی پیدا کر دیتے ہیں، جس کے آثار اعلیٰ عصبی مراکز میں باقی رہ جاتے ہیں اور کبھی کبھی یہ آثار عقلی اور عصبی امراض کا سبب بن جاتے ہیں!

پانچواں اصول

حرکت، خواہشات، پامالی وجدانی الجھنیں جن سے عقلی امراض پیدا ہوتے ہیں

اور عقل باطن سے عقل ظاہر کی طرف ان کا اخراج، ان امراض کی شدت میں کمی کر دیتا ہے۔ اور بعض اوقات ان کے ازالہ کا سبب بن جاتا ہے!

چھٹا اصول

جو امراض تحلیل نفسی یا کسی اور طریقہ سے یہ ثابت کرتے ہوں کہ وہ عقلی امراض ہیں، اور نفسی اضطرابات سے پیدا ہوتے ہیں۔ تو ان کا علاج بھی نفسیاتی وسائل سے ہونا چاہیئے، یہ کوئی احتیاط کی بات نہ ہو گی کہ جو مرض، بچے کے بچپن میں ڈر جانے سے یا ضمیر کی خلش سے، یا والدین کی سرزنش سے یا استاد کی تادیب سے پیدا ہوا ہو، اس کا علاج جڑی بوٹی یا مادی دواؤں سے کرنے کی کوشش کی جائے یہ درست ہے کہ کبھی کبھی ان چیزوں سے بھی فائدہ پہنچ جاتا ہے، لیکن علاج جب تک جنس مرض ہی سے نہ ہو کامل طریقہ پر نہ مؤثر ہوتا ہے نہ مکمل، اسی طرح نفسیاتی امراض کے لیے نفسیاتی علاج ہی موزوں اور مناسب تر علاج ہے!

ابن مسکویہ کا قول

ابن مسکویہ نے اس باب میں کیا خوب بات کہی ہے۔

"حاذق اطبا جسمانی مرض کا علاج اس وقت تک نہیں کرتے جب تک مرض کو اور اس کے سبب و علت کو نہ پہچان جائیں، اس کے بعد وہ علاج کرتے ہیں جو علاج بالضد کے احوال پر مبنی ہوتا ہے

ل تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق صفحہ ۱۴۵ - ۱۴۶

اور پرہیز بتا کر طبیعت دواؤں کا استعمال شروع کرا دیتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ناگوار غذاؤں اور بدبودار دواؤں تک نوبت پہنچ جاتی ہے نیز بعض امراض میں فولادی اوزار سے کاٹنے اور آگ سے داغنے کی ضرورت بھی درپیش آجاتی ہے اور چونکہ نفس ایک غیر جسمانی قوت الہیہ ہے، نیز ایک خاص مزاج کے زیر اثر رہتا ہے اور اس کے ساتھ ایک طبعی رابطہ الہیہ رکھتا ہے لہٰذا دونوں خدائے عزوجل کی مرضی کے سوا ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اسلیے یہ معلوم کرنا ہم پر واجب ہے کہ یہ دونوں یعنی نفس اور مزاج باہم ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں، ایک تغیر قبول کرتا ہے، تو دوسرا بھی کرتا ہے، ایک اچھا ہوتا ہے تو دوسرا بھی اچھا رہتا ہے ایک کو مرض لاحق ہوتا ہے تو دوسرے کو بھی ہوتا ہے۔"

دلیل اور ثبوت

یہ بات علانیہ نظر آتی ہے اور اس کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ جس طرح ہم مریض کو اس کے بدن کے اعتبار سے مریض پاتے ہیں، خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس کے مرض کا سبب دو شریف اعضا یعنی قلب و دماغ ہوں —— تو اس کی عقل بھی متغیر اور مریض ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کا ذہن، فکر تخیل اور نفس کے تمام قویٰ سرکشی کرنے لگتے ہیں، اور مریض خود بھی اس بات کو محسوس کرنے لگتا ہے۔

اسی طرح جو شخص نفس کی جہت سے مریض ہوتا ہے، خواہ غصہ سے ہو یا رنج سے، عشق سے یا ہیجان انگیز خواہشات سے، تو اس کے بدن کی صورت بدل جاتی ہے۔ اس میں اضطراب، لرزہ، رنگ کی زردی اور سرخی، دبلاپن اور موٹاپا وغیرہ حالات پیدا ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے تغیرات لاحق ہونے لگتے ہیں جو برابر مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔

اس لیے ضروری ہے کہ اگر امراض کا مبدا ہمارے نفوس میں سے ہو، تو ہم اس کا کھوج لگائیں، مثلاً اشیاء ردیہ کی فکر یا ان پر غور و خوض یا خوف کا احساس اور امور عارضہ یا منتظرہ سے دہشت اور ہیجان انگیز خواہشات۔

اگر ایسا ہو

اگر یہ صورت ہو تو ہم ان کا علاج ایسی چیزوں سے کریں گے جو ان کے ساتھ مخصوص ہوں، اور اگر مرض کا مبدا مزاج (جسم) میں اور حواس میں پایا جائے مثلاً بزدلی، جس کا مبدا حرارت قلب کی کمزوری ہو، یا عشق، جس کا مبدا نظر ہو اور اس کے ساتھ فارغ البالی اور بیکاری پائی جاتی ہو، تو اس کا علاج بھی ہم وہی خصوصیت رکھنے والی اشیاء سے کریں گے۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ہمارے لیے سبب مرض پر نظر کرنا اولیں شرط ہے۔ اگر یہ سبب نفسیاتی ہو تو علاج بھی نفسیاتی اصول پر ہونا چاہیئے اور جسمانی ہو تو ظاہر ہے علاج بھی جسمانی اصول کے مطابق ہوگا۔

اس بات پر عہد حاضر کے تمام اطبا کا اتفاق ہے کہ علاج میں سبب

مرض کی رعایت بے حد ضروری اور ناگزیر ہے، اگر اسے نظر انداز کر دیا جائے علاج کی کامیابی مشکوک ہی رہے گی، یقینی اور حقیقی نہیں ہو سکتی۔

رہا جسمانی مرض کا نفسیاتی علاج یا نفسیاتی مرض کا جسمانی علاج تو اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے مادیت پسند اشخاص کی رائے ہیں تمام امراض کا علاج ادویہ اور جڑی بوٹی سے ہونا چاہیئے، اور روحانیت پسندوں کے نزدیک تمام بیماریوں کا مداوا عقیدہ، ایمان، اتقا وغیرہ سراسر نفسیاتی طریقوں سے مناسب ہے۔

استدلال اور مشاہدہ

بعض لوگ اس باب میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں، ان کے نزدیک جراحات جلنے والے زخم، پھوڑے پھنسی، ڈسنے کے زخم اور انہی کے مماثل جسمانی تکلیفات کا علاج بھی روحانی وسائل سے ممکن ہے، وہ اپنے دعوے کے استدلال میں یہ مشاہدہ پیش کرتے ہیں کہ بعض حیوانات زخمی ہو جاتے ہیں یا جل جاتے ہیں یا ان کی ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور پھر ایک زمانہ کے بعد بغیر کسی عمل جراحی کے انکی یہ تکلیفیں زائل ہو جاتی ہیں۔

ایک خاص واقعہ

یہاں میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۹۲۲ء کے موسم گرما میں ملاقات مسیحی علما کے ایک گروہ سے ہوئی، میں نے اس موضوع پر ان سے گفتگو کی، انہوں نے مجھ سے بڑے اصرار کے ساتھ کہا کہ یہ

صدی ہرگز اس وقت تک نہ ادھیائے گی جب تک نفسیاتی طریق علاج تمام امراض کے لیے رائج نہ ہو جائے، خواہ ان امراض کی نوعیت کچھ ہی ہو، اور سبب کوئی بھی ہو، گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ سنہ ۱۹۵۰ء کے اواخر تک نفسیاتی طریق علاج کی ترویج و اشاعت ایک لازمی امر ہے، اگرچہ مجھے ان کا یہ ایقان ایک گونہ مبالغہ پر مشتمل نظر آیا، تاہم میں یہ دیکھ رہا ہوں۔ اور اچھی طرح سے محسوس کر رہا ہوں کہ نفسیاتی طرز علاج منزل کمال کی طرف لمبے لمبے قدم بڑھاتا تیزی سے رواں دواں چلا جا رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک روز واقعی یہ پیشین گوئی پوری ہو کر رہے گی۔

نفسیاتی علاج کے طریقے

شرائط اور وسائل

نفسیاتی علاج کے جو طریقے آج کل زیر عمل ہیں، ان پر گفتگو کر لے سے پہلے ان شرائط کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، جو اس علاج کے کامل طور پر سر انجام پانے کے لیے لازمی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پانچ شرائط ایسے ہیں، جو بہت زیادہ اہم ہیں، علاج معالجہ کے دوران میں ان کا پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

پانچ شرطیں

وہ پانچ شرطیں یہ ہیں۔

(۱) ان اسباب کا علم جو اس بیماری کے موجب ہوئے۔

(۲) مریض میں شفا حاصل کرنے کی سچی رغبت موجود ہو، کیونکہ تحقیق سے ظاہر ہوا ہے کہ جو لوگ زندگی سے مایوس ہو جاتے ہیں، یا زندگی سے بیزار نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کے علاج میں کامیابی نہیں ہوتی، خواہ معالج ان کی صحت یابی کے لیے کتنی ہی سعی و کوشش اور جدوجہد کیوں نہ کرے!

(۳) علاج کی کامیابی کی پوری پوری امید ہو، اور کم از کم کامیابی کے امکان

پہ پورا پورا عقیدہ ہو (۴) مریض کو معالج کی حذاقت اور مہارت پہ مکمل اعتبار رہو، اس میں کسی شک و شبہ کا اظہار نہ ہو (۵) مریض دوران علاج میں طبیب کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے، اور کامل اطاعت اور پورے اہتمام کے ساتھ اس کی ہدایتوں پر عمل کرے، اس کے مشوروں کو اپنا رہنما بنائے!

کچھ اور شرائط

اسی طرح طبیب میں ضروری ہے کہ کچھ شرطیں پائی جائیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) عقلی امراض کے سلسلہ میں معالج کے معلومات تشنہ اور نامکمل نہ ہوں نیز عقلی امراض کی دونوں شاخوں یعنی علم تشخیص امراض عقلیہ اور علم علاج نفسیاتی کو اچھی طرح سے جانتا ہو، اسی طرح علم طب اور عام علم نفسیات پر بھی اچھی نظر رکھتا ہو، خواہ بعض اعتبارات سے اس کے معلومات اجمالی ہی کیوں نہ ہوں،

(۲) طبیب کو عملی تجربہ کافی حد تک حاصل ہو، یہ تجربہ خود اس کا ذاتی ہو، یعنی بہ حیثیت معالج کے اس نے ایسے بہت سے مریضوں کو دیکھا ہو، ان کا ریکارڈ رکھا ہو، ان کے مزاجی اور طبعی تغیرات کے تمام ادوار اس کی آنکھوں کے سامنے ہوں نیز نفسیاتی علاج کے بعض ماہر معالجین سے اسے فخر شاگردی حاصل ہو۔

ان باتوں کی ضرورت اس لیے ہے کہ اس میں حاضر طبعی، احساس و شعور کی صحت، بصیرت کی روانی اور اسلوب کی خوبی، نیز ہم جنس صفات کا پایا جانا بھی ضروری ہے!

بنیادی شرائط

اب ایک مشترکہ اساسی شرط رہ گئی ہے، یہ شرط سابق الذکر شرائط کے تحقق کا نتیجہ ہے۔

وہ شرط یہ ہے کہ دوران علاج میں طبیب اور مریض کے درمیان ایک استوار علاقہ اور مضبوط رابطہ موجود ہو، اصطلاح میں اس رابطہ کو وفاق کہتے ہیں، یہ وہ رابطہ ہے جو معالج اور مریض دونوں کی روحوں اور نفسوں کے اجتماع کا ذریعہ بنتا ہے اور انھیں ایک جان بنا دیتا ہے۔ اس طرح سرگرمی کے ساتھ یہ ایک دوسرے سے فوری اثر قبول کر لیتے ہیں، اگر یہ رابطہ موجود نہ ہو تو مریض نہ طبیب سے مطمئن ہو سکتا ہے نہ معالج اس پر اعتماد کر سکتا ہے۔

اس طرح طبیب بھی مریض کی حالت کو واضح طور پر دریافت کرنے سے قاصر رہتا ہے، اور اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں کر سکتا۔

یہ کل دس شرطیں ہوئیں، جن کا پایا جانا طرفین ـــــ مریض اور معالج ـــــ میں ضروری ہے، تاکہ علاج کامیاب اور سائنٹیفک ہونے کے علاوہ اپنی غرض پوری کر سکے۔

علاج کے وسائل

اب ہم علاج کے وسائل اور طریقوں پر گفتگو کرتے ہیں، ـــــ!

Rapport ـہ

علاج کے وسائل یا عام ہوتے ہیں یا خاص، عام وسائل وہ ہیں جو عقلی امراض میں سے کسی مرض کے معالجہ کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں، خواہ ان کی نوعیت کچھ ہی کیوں نہ ہو، بالکل انہی وسائل کو جسمانی امراض کے معالجہ میں برتا جاتا ہے، ان وسائل میں سے بعض یہ ہیں -

(۱) مریض کے بے بنیاد شکوک وشبہات اور اوہام وظنون کو کم کرنے کی پوری پوری کوشش کرنا۔ (۲) مریض سے مہر ومحبت کا برتاؤ کرنا (۳) معاملات میں نرمی کا ثبوت دینا، (۴) مرض میں کمی ظاہر کر کے مریض کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کرنا (۵) مریض کے اعصاب کو سکون بخشنا (۶) مریض کے اچھے انجام کی پیش گوئی کرنا (۷) مریض جس ماحول میں رہتا ہے اسے یکسر بدل دینا،

غرض طبیب کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ مریض کے دل میں مسرت اور اطمینان کی لہریں پیدا کرے، اس کے سابقہ مشاغل ترک کرا دے، اور اس کے افکار وخیالات رفع کر دے!

ضروری ہدایات

جو باتیں مریض کی صحت کے لیے مفید اور ممد ہیں، انھیں بروئے کار لانے کی سعی بھی کرنی چاہیئے، جن مشاغل سے اسے کوفت ہوتی تھی، انھیں ترک کرانے اور جن سے اسے راحت ہوتی تھی انھیں جاری کرانے میں بھی زور لگانا طبیب کا فرض ہے، مریض کو اگر پاکیزہ اور حسین مناظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا جائے، نغمہ وموسیقی سے اس کا جی بھلانے کی کوشش کی جائے تاکہ سماعت

مسرور ہو، اور اعصاب کو راحت پہنچے ———— یہ تمام ایسے امور ہیں جو وسائل شفا میں شمار ہوتے ہیں، ان کے بروئے کار لانے سے بہت جلد مریض کی صحت پر خوشگوار اور صحت مند اثرات مترتب ہو سکتے ہیں،

چند اور وسائل

یہ ہے وہ وسائل اور خاص طریقے جن کو عقلی امراض کے معالجہ میں خاص طور سے پیش نظر رکھا جاتا ہے، وہ تعداد میں بہت ہیں۔ لہٰذا اکثر کو نظر انداز کر کے صرف اہم چیزوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

(۱) جسمانی علاج

(۲) تنویم مقناطیسی یا تنویم صناعی،

(۳) تحلیل نفسی،

(۴) تلقین ذاتی،

(۵) تحریض

(۶) از سر نو تربیت،

(۷) تنفیس

جسمانی علاج اور تنویم مقناطیسی پر اس سے پہلے کسی دوسرے مقام پر گفتگو کی جا چکی ہے، اس سلسلہ میں اب صرف یہ کہنا ہے کہ تنویم مقناطیسی کا دور قریب قریب ختم ہو گیا، عہد حاضر میں نفسیاتی اور عقلی امراض کے علاج کے سلسلہ میں اسے بہت کم استعمال کیا جاتا ہے۔

مابقی دوسرے وسائل پر ہم اب سطور ذیل میں ہر ایک پر الگ الگ گفتگو کرتے ہیں تاکہ صورت حال اچھی طرح سے منقح ہو جائے۔

تحلیل نفسی[1] !

تحلیل نفسی کی اساسی غرض یہ ہے کہ وجدانیات، خواہشات یا نفسیاتی الجھنوں اور دبائے ہوئے خطروں کو عقل باطن سے ابھار کر عقل ظاہر میں لے آنا ہی تحلیل نفسی ہے ——————— یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر یہ خطرات اور یاد داشتیں جو مرض سے لگاؤ رکھتی ہیں، عقل ظاہر کی طرف منتقل ہو جائیں اور مریض انھیں اچھی طرح سے جان پہچان لے، تو تنہا یہی بات شدت مرض کی تخفیف یا اس کے زوال کے سبب کافی ہو جاتی ہے، اس بحث پر ہم اس سے پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں، حکیم بو علی سینا بھی اس اصول کا قائل تھا۔ جسے ۹ سو سال کی مدت گزر چکی ہے،

عام طریقہ

اس طریقہ کو بروئے کار لاتے وقت بالعموم مریض کو آرام دہ ڈھلوان بستر پر اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کے عضلات اچھی طرح پھیل جائیں اور اس کے جسم کو زیادہ سے زیادہ راحت و سکون میسر آسکے، پھر اس کی آنکھیں بند کر کے طبیب اپنی مخالف سمت میں کروٹ بدلوا کر لٹا دیتا ہے، اب اسے اپنی تاریخ حیات پوری آزادی اور کامل صراحت و دیانت کے ساتھ بیان کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے، اس وقت نہ وہ کچھ چھپاتا ہے، نہ کسی بات کے بیان کرنے سے نادم ہوتا

---

[1] Psychoanalysis

ہے۔ گزشتہ تجربات میں سے اگر اس کا دل کسی چھوٹی یا بڑی بات کو چھپانا بھی چاہتا ہے تو یہ نہیں مانتا۔

اس موقع پر طبیب کا کام صرف یہ ہونا چاہیئے کہ وہ پورے ہوش وحواس اور غور کے ساتھ مریض کی باتیں سنتا رہے، اور جن باتوں کو وہ اہم سمجھتا ہوا انہیں نوٹ کرتا جائے، جب مریض اٹکے یا باتیں چھپانے کی کوشش کرے تو طبیب اس واقعہ کو کسی ایسے حادثہ کی دلیل سمجھ لے، جس کو مریض ظاہر کرنا نہیں چاہتا عین یہی موقع ہوتا ہے، جو مرض اور دوا دونوں کی کلید بن جاتا ہے۔

طبیب کے سوالات

اس وقت طبیب مریض سے ایسے سوالات کرتا ہے جو مریض کو اپنے مبہم بیان کردہ واقعہ کی کامل تشریح اور مکمل توضیح پر آمادہ کر دیتے ہیں، جسے وہ مخفی رکھنے یا مختصر کر دینے کی طرف پیہم مائل ہوتا ہے، جب مریض کا بیان ختم ہو چکتا ہے۔ جس میں بعض کئی کئی نشستیں کرنا پڑتی ہیں۔

اس وقت طبیب اس کے بیان اور اپنی مہارت اور حسن فراست سے ان خواہشات اور میلانات کو معلوم کر لیتا ہے جو مرض پر دباؤ اور مریض پر اثر ڈالنے کے موجب بنے ہوئے تھے اب وہ مریض کی توجہ اس جانب مبذول کرتا ہے اور اس سے اس کا سبب کامل تشریح کے ساتھ بیان کر دیتا ہے، اس طرح دو اہم کام پورے ہو جاتے ہیں۔

(۱) دبائے ہوئے خیالات اور خواہشات کو عقل ظاہر کے دائرہ میں لانا

(۲) مریض کا اپنے مرض کے اسباب سے پورے طور پر واقف ہو جانا

دوسرے وسائل

بعض اوقات طبیب یہ دونوں مقصد حاصل کرنے کے لیے دوسرے وسائل سے مدد لینے میں بھی تامل نہیں کرتا، مثلاً مریض سے خاص خاص سوالات کرتا ہے، پھر جواب کا مطالبہ کرتا ہے، خواب اور بیداری کی حالت میں مریض جس قسم کے خواب دیکھتا رہتا ہے، طبیب ان کی تحلیل کرتا ہے، اس کے قلم یا زبان کی غلطیوں کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کے بے قاعدہ طرزِ عمل کا کھوج لگاتا ہے اور اس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی جاتا ہے!

تلقین ذاتی یا ایجا[1]

تلقین ذاتی، گزشتہ بیانات کی روشنی میں نفسیاتی علاج کے اس ارتقاء کا نتیجہ ہے جو مسمر سے بریڈ تک پھر لیبو لٹ اور نانسی اور میوکوں کوئی کے مکاتب خیال تک ہوا ہے

تلقین ذاتی یا ایجا کی غرض یہ ہے کہ مریض کو کلام یا کسی اور ذریعہ سے یہ بات ذہن نشین کر لینے پر آمادہ کیا جائے کہ اس کا مرض معمولی قسم کا ہے، اس کا علاج بہت آسان ہے، یہاں تک کہ جب اس کی حالت اچھی ہونے لگے تو اس سے کہا جائے کہ اب تمہارا مرض زائل ہو رہا ہے اور بالآخر یہ بات اس کے دل پر نقش کر دی جائے کہ تمہاری بیماری زائل ہو گئی، تم اچھے ہو گئے،

---

[1] Suggestion and Autosuggestion

تلقین ذاتی کا اثر

"تلقین ذاتی کا جو طبعی اثر نفس پر ہوتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ تلقین کرنے والا قوی شخصیت کا مالک ہو، اس کا ارادہ نافذ ہو، اور لوگ اس کی باتیں توجہ سے سنتے ہوں، اور مریض کے ساتھ اس کا علاقہ بہت استوار ہو۔ ایسی حالت میں یہ تلقین بہت زیادہ موثر اور کامیاب ثابت ہوتی ہے،

تلقین کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تلقین خارجی (۲) تلقین ذاتی،

"تلقین خارجی وہ ہے جو کسی اور شخص یا مریض کے ماحول سے کی جائے، اور تلقین ذاتی بلا واسطہ نفس سے کی جاتی ہے "تلقین خارجی کی بھی دو قسمیں ہیں، معمولی جو عادی و معمولی حالات میں تکمیل پاتی ہیں، اور غیر معمولی یا غیر عادی، تلقین اسے کہتے ہیں، جسے اصطلاح میں تلقین تنویمی کہا جاتا ہے یہ مصنوعی نیند کے دوران میں پیدا ہوتی ہے، یہاں تلقین کی تشریح اور اس کے آثار کو طول دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ایک جانی بوجھی بات ہے کہ تلقین کو ایسے قوی ترین معنوی اسلحہ کی حیثیت حاصل ہے جن کے ذریعہ اقوام ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتی ہیں وہ "تلقین کو اسی معنوی روح کی تقویت کا وسیلہ بناتی ہیں جو ان کے مددگاروں اور سپاہیوں میں پائی جاتی ہے، اور اس کے ذریعہ اپنے دشمنوں اور ان سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ہمتیں پست کیا کرتی ہیں۔

ایک عجیب خصوصیت

ایک عجیب خصوصیت جس کا تلقین خارجی کے ذریعہ علاج کرتے ہیں بڑا اثر دیکھا جاتا ہے، وہ ہے انتقالی خصوصیت، جس کا مطلب یہ ہے کہ مریض تلقین سے اثر قبول کرتے وقت اور عامل کامل ربط تلقین سے رکھتے وقت اس کے خیالات اخذ کر لیتا ہے جب عامل یہ خیال کرتا ہے کہ مریض کی حالت روبہ اصلاح ہے اس کا مرض لازماً زائل ہو رہا ہے، یا بالفعل زائل ہو چکا ہے تو یہ خیالات تلقین کے ذریعہ طبیب سے مریض میں منتقل ہو جاتے ہیں اور اسی پر اس کی شفا مترتب ہوتی ہے اور اس شفا کا مرجع جیسا کہ ابن سینا نے کہا ہے طبیعت کا نفسیاتی اوہام کی اطاعت کرنا ہے

اعداد و شمار

اب تک جو اعداد و شمار حاصل کیے جا سکتے ہیں، وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تلقین کے ذریعہ نفسیاتی علاج بڑی حد تک کامیاب ہوتا ہے خصوصاً ان امراض میں جو عصبی اضطرابات سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً (۱) بے خوابی (۲) مزمن دردِ سر (۳) مرگی (۴) وسوسہ (۵) جنون (۶) مالیخولیا۔

مذکورہ امراض کے علاوہ فالج میں بھی یہ طریقہ تلقین بہت کامیاب ہے، وجع مفاصل کا علاج بھی اس سے کیا جا سکتا ہے، عصبی دورے بھی اس سے دور کیے گئے ہیں، نیز بعض دوسرے عصبی امراض کا بھی تلقین نے بہت کافی اور شافی علاج کیا ہے،

Transferenee

تلقین کے معجزات

بعض اوقات تلقین کے سہارے متعدد خاندانوں کے گھریلو ماحول میں کھوئی ہوئی عقلی زندگی دوبارہ ہاتھ آگئی ہے۔ اور اب ان کے ہاں امن وسلامتی، مسرت اور خوشی کا راج ہے، یہ بات انھیں زندگی میں بڑی سخت مشکلات سے دوچار ہونے کے بعد ہاتھ آئی، ورنہ تلقین کے ذریعہ علاج کرانے سے پیشتر ان کے ہاں نزاعات، عصبی اضطرابات اور لڑائی جھگڑے کا وہ دور رہتا تھا کہ خدا کی پناہ،

جو معالجاتی طریقے اب تک بیان کئے جا چکے ہیں یا آئندہ عنقریب بیان ہونگے ان کے علاوہ بعض اور طریقوں کی کامیابی کو تلقین سے منسوب کیا جاتا ہے۔

(۱) گنڈے، تعویذ، (۲) منتر اور جھاڑ پھونک، (۳) دینی توسلات (۴) قبور اولیا وصالحین کی زیارت (۵) اولیا اور بزرگوں کی باقیماندہ اشیا و آثار سے برکت کا حصول (۶) بھوت پریت کا سایہ (۷) سحر اور شعبدہ،

اسی بنیاد پر وہ علاج بھی مبنی ہے جو "علاج مسیحی" کہا جاتا ہے۔

ایک عجیب واقعہ

ذیل کا واقعہ اس بات پر بہت اچھی طرح سے روشنی ڈالتا ہے، اس لیے ذرا وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

ڈاکٹر جسن ٹاپلین نے اپنی کتاب "تنویم مقناطیسی اور نفسیاتی علاج" میں ایک

ا۔ HyphoTicsuggesTion and Psycho-TheTaPeveles. Be Ths TaPlin

مقام پر تحریر کیا ہے کہ مسیحی علما کے حامیوں میں سے ایک پر جوش لڑکی بیمار پڑ گئی اس نے اس جماعت کے لوگوں میں سے ایک خاتون کو خط لکھ کر مطالبہ کیا کہ اس کا علاج غائبانہ طور پر جماعت کے اصولوں کے ماتحت کر دیا جائے کیونکہ وہ اپنا مستقر بعض وجوہ سے نہیں چھوڑنا چاہتی، یہ طریقہ ادعیہ اور ماثورات پر مبنی ہے۔

انتظام ہوا، لڑکی کے علاج کے لیے وہ وقت معین کر دیا گیا، جب اس پر مرض کا دورہ پڑتا تھا، توقع تھی کہ خط مل گیا ہوگا، اور وہ خاتون اس وقت مراقبہ سے دور ایک دوسری جگہ بیٹھی علاج میں مشغول ہو گئی!

بیمار لڑکی نے یہ خط بعینہ وقت سے کافی مدت پہلے خاتون موصوفہ کو لکھا تھا، معینہ رات آ پہنچی، لڑکی معینہ وقت پر شفا کے ارشادات موصول کرنے پر آمادہ ہو گئی، پہلے تو اس کے مرض میں شدت پیدا ہو گئی، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے کچھ آرام محسوس ہوا، مرض کی شدت میں بڑی حد تک تخفیف ہو گئی اور تھوڑی ہی دیر میں بیماری کی علامات تمام و کمال جاتی رہیں۔

غائبانہ معالجہ

اس واقعہ کے فوراً بعد یہ لڑکی ڈاکٹر ٹاپلین کے پاس پہنچی، ڈاکٹر سے یہ سارا واقعہ کہہ سنایا، تاکہ غائبانہ معالجے کی صحت کا ثبوت مل جائے، لیکن یہ خوشی بہت جلد ندامت سے بدل گئی، کیونکہ جو خط لڑکی نے اس خاتون کو بھیجا تھا، وہ اسی طرح بند کا بند واپس آ گیا، ڈاک خانہ کے عملہ نے لفافہ پر لکھ دیا "پتہ نامعلوم" گویا دوسرے الفاظ میں سرے سے خط ہی خاتون کو نہیں ملا۔ ظاہر ہے پھر وہ

غائبانہ علاج کیونکر کرسکتی تھی؟ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ شفا کا تعلق عقیدہ اور امید سے ہے۔ یہ دونوں چیزیں جتنی زیادہ مضبوط ہوں گی، اتنی ہی مستحکم اور فوری شفا حاصل ہو گی، لہٰذا عقیدہ صالح اور امید سچی ہونی چاہیئے، یہ شرط لازمی ہے!

تلقین کا طریقہ

جن لوگوں نے ہمارے موجودہ عہد میں تلقین کے طریقہ پر بہت زیادہ توجہ کی، ان میں سب سے زیادہ مشہور اور کامیاب شخص امیل کوے ہے، اس کا طریقۂ تلقین یہ تھا کہ وہ مریض کے دل میں یہ عقیدہ پیدا کر دیتا تھا کہ اس کا مرض زائل ہو رہا ہے اور بغیر کسی شک وشبہ کے مریض ترقی کر رہا ہے، صحت حاصل کر رہا ہے، مریض کے دل میں یہ نقش جمانے کے لیے وہ شفقت اور نرمی کے ساتھ اس سے فرمائش کرتا تھا کہ مریض متعدد جملے اپنی زبان سے دوہرائے یہ جملے اس کے خیال میں مریض کو حصول صحت میں بہت مدد دے سکتے ہیں، وہ ان الفاظ کو کئی بار کہتا، پہلے پہل آہستہ آہستہ کہتا، پھر ذرا ذرا آواز بلند کرتا پھر جلد جلد کہتا، اس کے بعد آواز کو کچھ پست کرتا، ان سب باتوں کے دوران میں یہی ایک بات مریض کے ذہن نشین کی جاتی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اسے مانے اور مریض اپنی صحت کے حصول پر اپنا اعتقاد اور یقین پورے استحکام کے ساتھ قائم رکھے!

کوے نے مریضوں کے علاج میں صرف اسی طریقہ کو ملحوظ نہیں رکھا،

وہ مریضوں کو اس بات کی ترغیب بھی دیتا تھا کہ وہ تلقین ذاتی کو اپنے بھلے چنگے ہونے اور بستر علالت سے اٹھ کھڑے ہونے کا وسیلہ بنائیں اپنے رویہ کو اچھے رخ کی طرف پھیریں، اور اپنے پیدائشی و اجتماعی عیوب سے رہائی پائیں۔

عمل تطبیق

مجھے یاد ہے کہ انہی مسٹر کوے کو انگلستان کے ایک شہر اکسٹر میں بلایا گیا تھا۔ جہاں ہم تعلیم پا رہے تھے، انھوں نے کئی جلسے کیے، ایک جلسہ میں میرے علاوہ دوسرے مصری بھائیوں کا بھی ایک گروہ شریک تھا، ہم نے انھیں اپنے مبادی کی عملی تطبیق کرتے دیکھا، اس شہر میں چند روز کے قیام کے بعد ایک عرصہ تک شہر کے چھوٹے بڑے باشندے کوے کے جملے لطف لے لے کر دوہرایا کرتے تھے۔ کوے نے ان کو ہدایت کی تھی کہ ہر صبح کو یہ الفاظ دہرایا کریں

Day By Day in every way I ain getting betier and better

اس کو فرانسیسی زبان میں اگر کہنا چاہیں تو یوں کہیں گے۔

Tous les jonrs a tous les points de vue je vais inioux en mieux

یعنی

"میں ہر لحاظ سے روز بروز اچھا ہو رہا ہوں !"

ترغیب و تحریض[1]!

ڈبی بوا، اور ڈی جیرین[2] نے ترغیب کو ایک قابل لحاظ فن اور اسلوب بنا دیا، ترغیب کی غرض یہ ہے کہ مریض کو ایسے کام انجام دینے پر آمادہ کیا جائے جنہیں مرض نائل ہوئے بغیر سرانجام دینا ممکن نہ ہو، مثلاً فالج کا مریض چلنے کی کوشش کرے۔ وجع المفاصل یعنی گنٹھیا کا مریض، جس عضو میں گنٹھیا ہو اس کو خاص طور پر حرکت دے،

ڈی جیرین بزدلوں کے حوصلے بڑھایا کرتا تھا۔ اور وہ بہادروں کے سے کام کرنے لگتے تھے۔ ڈرپوک شخص اس کی ہمت افزائی سے بڑے بڑے کام بغیر کسی خوف و دہشت کے بیباکی کے ساتھ کر گزرتے تھے، کیا مجال ہے جو ذرا ان کے قدم میں لغزش آجائے ———— اس سلسلے میں ایسے بہت سے تجربے، اور مشاہدے پیش کئے جا سکتے ہیں، جو اس اصول کی صداقت پر دلالت کریں گے ———!

اسی قسم کا ایک واقعہ لیڈی سیوان نے اپنی کتاب "نفسیاتی علاج" میں بیان کیا ہے، وہ کہتی ہیں۔

ایک اور مشاہدہ

میں ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کا علاج کرنے کے لیے بلائی گئی، جو دم

---

1. Persuation
2. Dejerine

اطراف کی بیماری میں کئی ہفتے سے صاحب فراش تھا، ڈاکٹر نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ بستر پر پڑا رہے اور آرام کئے جائے کیونکہ اس کی رائے میں مریض کے اطراف کمزوری کے باعث حرکت کے متحمل نہ ہوسکتے تھے۔ یہ خیال مریض کے دل میں کچھ ایسا راسخ ہوگیا تھا کہ میرے لیے مریض کو کسی طرح کی حرکت کرنے پر آمادہ کرنا سخت دشوار نظر آتا تھا، زیادہ سے زیادہ جو کچھ میں کرسکی وہ یہ کہ میں نے بدقت تمام اسے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ اٹھ کھڑے ہوتے اور حرکت کرنے کا صریح وعدہ کرے، وعدہ تو اس نے کرلیا، مگر پورا نہ کیا، اس لیے اب میں دوسرا طریقہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئی۔ میں نے اس سے کہا میں بہت مشغول ہوں اور تمھیں دیکھنے کے لیے بہت کم آسکتی ہوں، میرا معالجہ صرف اس طرح جاری رہ سکتا ہے کہ تم اٹھنے کی سکت پیدا کرلو اور مجھے ٹیلیفون سے مخاطب کیا کرو، میں اس صورت میں غائبانہ علاج جاری رکھوں گی۔ اس نے اس کام سے پیچھا چھڑوانے کے لیے بہت سے عذرات کیے، اور کہا ٹیلیفون نیچے کی منزل میں ہے مجھے اندیشہ ہے کہ میں وہاں تک پہنچ نہ سکوں گا، اور ڈاکٹر کی رائے کے خلاف کرنا کوئی اچھی بات نہیں، میں ہمت نہ ہاری، میں نے اسے ترغیب دی کہ وہ اٹھ کھڑا ہو، اور کمرے میں تھوڑا تھوڑا چل کر درمیانی وقفوں میں آرام بھی کرتا رہے، اس کوشش میں مجھے کامیابی

ہوئی، اگرچہ چلنا اس کے لیے دشوار تھا کیونکہ وہ ایک مدت سے بستر پر بے حس و حرکت پڑا رہنے کا عادی ہو گیا تھا، میں نے اسے آگاہ کر دیا تھا کہ تیسرے دن ظہر کے بعد تمہاری صحت ٹھیک ہونے لگے گی، اور تم ٹیلیفون کے کمرے تک جا کر مجھ سے باتیں کرنے کے قابل ہو جاؤ گے ساتھ ہی میں نے اسے تاکید کر دی کہ میں تمہارے بلاوے کی منتظر رہوں گی، مقررہ وقت پر کامیابی کے آثار نظر آنے لگے۔ مریض اتر کر ٹیلیفون کے کمرے میں پہنچا اور مجھے مخاطب کر کے کہا، میں بہت خوش ہوں واقعی میری صحت بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے بعد مرض کے آثار تیزی سے دور ہونے لگے، اس کا درد دور ہو گیا، ورم کا کوئی اثر باقی نہ رہ گیا، اور دو ہفتے سے بھی کم مدت میں وہ بالکل شفایاب ہو گیا"!

تجدید تربیت[1]!

اس طریقہ کی تہذیب، جانٹ (فرانسیسی) اور مورٹن پرنس (امریکی) وغیرہ کی ممنون ہے اس کی غرض یہ ہے کہ مریض ان تمام غلط افکار و اسباب کو جو اس کے مرض کا باعث ہیں، اور اسے تقویت دینے والے ہیں، اپنے دائرہ شعور سے خارج کر دے، صفحہ قلب سے محو کر دے، اور اپنے ذہن کو ایسے

---

[1] Re-Education

صحیح اور صحت بخش خیالات و اسباب سے بھر دے، جو مرض کے مخالف ہوں، یا مرض کے بارے میں اس نے جو رائے قائم کر لی ہے، اسے بدل دے، اور یہ سمجھے کہ اس کا مرض ایسے اوہام و خطرات سے تعلق رکھتا ہے جن کی سرے سے کوئی حقیقت نہیں، یا اس کا لگاؤ ایسے تجربات سے ہے، جو پہلے گزر چکے ہیں، اور اب ان سے اثر قبول کرنے کے کوئی معنی نہیں، یا ایسی باتوں کی یاد امراض کا مرجع بن گئی ہے جن کے اندازے اور تخمینے میں مبالغہ کرنا احتیاط کے خلاف ہے!

عمومی طور پر ہمارے لیے یہ کہنا ممکن ہے کہ تجدید تربیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم مریض کی توجہ مرض کی جانب سے بالکل ہٹا دیں، یہ تبدیلی منطقی اور فکری اساس پر ہونی چاہیئے، اور ہم مریض کے نفس کو ایک ایسی نئی زندگی کے لیے تیار کر دیں جو صحیح افکار و خیالات، مفید اعمال، استوار اصول، صحیح عادات اور مناسب آرام سے معمور ہو، تاکہ مرض کی قیمت اس کی نظر سے گر جائے اور وہ ایک وہم، خیال اور سراسر بے بنیاد شے بن کر رہ جائے، جو باقی رکھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی!

مریض عشق

یہ بالکل وہی بات ہے جو ابن سینا نے مریض عشق کے بیان میں کہی ہے! وہ کہتا ہے:

"اگر عاشق عقلمندوں میں سے ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ وعظ و

نصیحت سے کام لیکر اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے اور اس میں یہ تصور پیدا کیا جائے کہ اس کی یہ حالت ایک وہم اور وسوسہ ہے، بلکہ ایک قسم کا جنون ہے، جس سے کوئی نقع نہ ہوگا۔ اس تدبیر سے علاج کامیاب ہوتا ہے ——— !

بچّہ کی مثال

تجدید تربیت کے ساتھ علاج کی مثال وہ بچہ ہے جو تاریکی سے ڈرتا ہو، ایسا بچہ جب کبھی اندھیرے مقام پر جاتا ہے، تو اس پر سخت دہشت چھا جاتی ہے، ہم اسے نرمی اور مہربانی سے یہ سمجھا سکتے ہیں کہ نور اور ظلمت دونوں برابر ہیں، ان میں سے ہر ایک، ایک طبعی علامت ہے، روشنی ——— سورج چاند یا چراغ سے پیدا ہوتی ہے، جب یہ سب چلے جاتے ہیں تو تاریکی ہو جاتی ہے ——— یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بچہ کے والد اسے اپنے ساتھ بار بار تاریک جگہوں پر لے جائے اور اسے درست اور صالح خیالات سے مالا مال کرتا رہے، اور ایسے کاموں کی رغبت دلاتا رہے۔ جن کی شان یہ ہے کہ اس کے دل سے خوف کو زائل کر دیں۔ اور اس میں شجاعت کا جذبہ پیدا کر دیں، اور ذاتی اعتماد کو پھر سے ابھار دیں!

عقل میں خلل

ایک اور مثال اس شخص کی ہے، جو گھبراہٹ، بے قراری، دہشت اور

اضطراب وحیرت کے عالم میں نفسیاتی طبیب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ ——— "مجھے اپنا حافظہ ضائع ہو جانے کا ڈر ہے"! ———

اور اس کی دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ اسے تمام واقعات میں سے ایک بھی یاد نہیں، اور جو کچھ کتابوں میں پڑھتا ہے سب بھول جاتا ہے اور اور چونکہ حافظہ عقل کے اساسی فرائض میں سے ہے، اس لیے اندیشہ مند ہے کہ عقل میں کوئی خلل نہ پیدا ہو جائے، بلکہ کہیں دیوانہ نہ ہو جائے غرض وہ اپنی نسبت اسی طرح سوچتا ہے ——— اگر اسے یہ معلوم ہو کہ وہ کچھ دیکھتا سنتا، پڑھتا ہے اس میں اپنے انتباہ کو محصور نہیں کرتا۔ اگر وہ اپنے تجربات میں اپنے انتباہ کا حصر کرلے تو اس کے لیے ان تجربات کا غور کے ساتھ یاد کرلینا آسان ہو جائے، اس کے حافظہ کی کمزوری، ضعف انتباہ اور توجہ کی کمی کی طرف رجوع ہوتی ہے۔ اور ضعف انتباہ (فہم اور سمجھ کی کمزوری) ایسی چیز ہے کہ اس کا علاج دشوار نہیں آسان ہے۔ اس کا شمار خطرناک امراض میں ہرگز نہیں۔

صحیح سمت

جب طبیب اس قسم کے مریض کی توجہ صحیح سمت میں پھیرنے میں کامیاب ہو جائے اور اسے یہ یقین دلا دے کہ اب تک وہ جو کچھ سمجھ رہا تھا وہ غلط تھا اور یہ یقین پیدا کردے کہ وہ جن مقدمات کا ذکر کر رہا ہے، وہ اس کے خیال میں آنے والے نتیجہ تک نہ پہنچائیں گے۔ تو میں کہتا ہوں کہ مریض فوراً مرض سے

نجات پا جائے گا۔ اس میں سمجھ بوجھ اور صحت لوٹ آئے گی، اور اس طرح
بہت سے ثانوی امراض مثلاً بے خوابی، وسوسہ، ضعف ارادہ، اجنبی اور
نامانوس حیوانات سے وحشت اور سراسیمگی، تقریر یا تمثیل وغیرہ میں اٹکنے
اور جھجکنے کا شفا بخش اور زود اثر علاج جلد ممکن ہوگا۔ اور وہ پٹ نہیں پڑے گا!

تنفیسؔ

تنفیس سے مراد یہ ہے کہ کسی وجہ سے دبائی ہوئی خواہشات یا انفعالات
کو آزاد کر دیا جائے، مثلاً انھیں عقل باطن سے عقل ظاہر کی طرف دلایا جائے
اور ان کے باب میں ایک مرتبہ اور غور کیا جائے اور اس کے مقتضا کے مطابق
انھیں عقل و عمل پر راضی کیا جائے!

بچہ کی نظیر

جیسے وہ بچہ جو کھیل کود کی چیزوں میں سے کسی چیز سے محروم ہو گیا ہو، یا
والدین اور استاد کے نزدیک اس کا جو مرتبہ تھا، وہ باقی نہ رہے، اور پھر اس
چیز یا مرتبہ کو دوبارہ حاصل کرلے، یا وہ شخص جو مال، منصب یا کسی اور چیز سے
رغبت رکھتا ہو، اور وہ پوری ہو جائے!

ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابن سینا اس طریقہ سے عاشق کے
علاج میں کامیاب ہوا ہے، اس نے قانون میں لکھا ہے۔
"معشوق کا سراغ لگانا، اور پہچاننا بھی شفا کے طریقوں میں سے ایک ہے!"

Abreaction ؎

اس مقام پر بعض علما یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمیں تنفیس کی حالت میں وہ بات نہیں ملتی جو ایسی حالت میں ملتی ہے جب کہ علاج میں کامیابی درحقیقت خود تنفیس کی طرف رجوع ہوتی ہے، یا اس کا تعلق ماضی کی یاد کو دوہرانے یا دبی ہوئی خواہش کے عقل باطن سے عقل ظاہر کی طرف منتقل کرنے سے قائم ہوتا ہے۔

یہ دونوں باتیں تنفیس کے موقع پر ایک ساتھ پیدا ہوتی ہیں، اور شفا میں دونوں کا اثر ہوتا ہے۔ خصوصاً دوسری بات کا اثر زیادہ واضح اور کہیں زیادہ نمایاں ہوتا ہے!

اعتراض کا جواب!

ہم اس اعتراض کے جواب میں یہ کہیں گے کہ یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو شفا کو اس حالت میں ان دونوں باتوں کی طرف رجوع ہونے سے روکتی ہو۔ جب کہ وہ ایک ساتھ پائی جاتی ہوں۔

اس وقت تنفیس کی بہت بڑی اہمیت اور افادیت اس لیے ہے کہ علاج میں عجلت کے ساتھ کامیابی کا اس سے اچھا اور بڑا کوئی دوسرا وسیلہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نفسیاتی علاج میں اس کی ضرورت اور گراں مائگی ایک تسلیم شدہ امر ہے۔

تنفیس بعض اوقات علاج میں منفرد ہو جاتی ہے جب کہ سبب شعوری ہو۔ مریض اسے جانتا ہو، مگر چھپاتا ہو،

ایسی حالت میں اگر تشخیص سے مہارت کے ساتھ کام لیا جائے اور اس مہارت کی رہنمائی میں علاج کی ابتدا کی جائے، تو اس حقیقت پر تجربات دلالت کرتے ہیں کہ ضرور کامیابی ہوتی ہے ناکامی کا کوئی احتمال ہی نہیں رہنے پاتا، اور یہ بہت بڑی بات ہے:

مراجع الکتاب

اس کتاب کی تالیف و تدوین میں عربی، فارسی اور انگریزی کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے، ان کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

کتب عربی! (۱) تفسیر کبیر (امام رازی)

(۲) روح المعانی (علامہ آلوسی)

(۳) الشفا (ابن سینا)

(۴) القانون (بو علی سینا)

(۵) تہذیب الاخلاق (ابن مسکویہ)

(۶) مقاصد الفلاسفہ (امام غزالی)

(۷) تہذیب الاخلاق (ابن عربی)

(۸) المقدمہ (ابن خلدون)

(۹) عیون الانبا (ابن ابی اصیبعہ)

(۱۰) اخبار العلما (قفطی)

(۱۱) بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب (علامہ آلوسی)

(۱۲) العہد القدیم

(۱۳) العہد الجدید

فارسی!

(۱۴) چہار مقالہ (نظامی سمرقندی)